2

نضرۃ النعیم سیریز

دل بدلے تو زندگی بدلے

پارٹ-1

نیت سے اخلاق بدلتا ہے

نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نیت سے اَخلاق بدلنا ہے

نگہت ہاشمی

نیت سے اَخلاق بدلنا ہے

استاذہ نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

نام کتاب : نیت سے اخلاق بدلتا ہے

مصنفہ : نگہت ہاشمی

طبع اول : مئی 2007ء

تعداد : 2100

ناشر : النور انٹرنیشنل

لاہور : 98/CII گلبرگ III فون 042-7060578-7060579

فیصل آباد : 103 سعید کالونی نمبر 1، کینال روڈ فون: 041 - 872 1851

بہاولپور : 7A، عزیز بھٹی روڈ ماڈل ٹاؤن اے فون: 062 - 2875199

2885199، فیکس : 062 - 2888245

ملتان : 888/G/1، بالمقابل پروفیسرز اکیڈمی بوسن روڈ گلگشت

فون: 061 - 600 8449

ای میل : alnoorint@hotmail.com

ویب سائٹ : www.alnoorpk.com

النور کی پراڈکٹس حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں:

مومن کیلیگرافکس 48-B گرین مارکیٹ بہاولپور

قیمت : روپے

ابتدائیہ

''لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ عطا ہوا ہے اس میں سب سے بہتر اچھا اَخلاق ہے''۔ (مسند احمد:4/385)

''اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سب سے پیارا وہ ہے جس کے اَخلاق سب سے اچھے ہیں''۔ (کنز العمال:3/3)

''تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس کے اَخلاق سب سے اچھے ہوں''۔ (بخاری:7/82)

''تم میں میرا سب سے محبوب اور آخرت میں مجھ سے قریب تر وہ ہیں جو تم میں خوش خُلق ہیں''۔

''انسان حسنِ خُلق سے وہ درجہ پا سکتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر عبادت سے حاصل ہوتا ہے''۔ (ابوداؤد:4/30)

''بھلائی حسنِ خُلق ہے''۔ (مسلم:8/7)

یہ ساری تعلیمات اُس کی ہیں جس کے بارے میں رب العزت نے فرمایا:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ (القلم:4)

''اور بیشک آپ ﷺ تو اَخلاق کے بلند مرتبے پر ہیں''۔

وہ اخلاق کے بلند مرتبے تک پہنچے تو رب کے کرم سے، تمناؤں سے۔ اُن کی ایک طویل دُعا کا حصّہ ہے:

''میرے رب میری سب سے اچھے اَخلاق کی طرف رہنمائی فرما، تیرے سوا اچھے اَخلاق کی راہ کوئی نہیں دکھا سکتا اور بُرے اَخلاق کو مجھ سے دُور کر دے اور تیرے سوا کوئی اور دُور نہیں کر سکتا''۔ (مسلم 2:185)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے بھائی نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں مشاہدہ کرنے کے بعد یہ روایت کیا:

''میں نے اُنہیں لوگوں کو اَخلاقِ حسنہ کی تعلیم دیتے دیکھا''۔ (سیرت النبی 1:351)

حسنِ اَخلاق کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مسلمانوں میں کامل ایمان اُس کا ہے جس کا خُلق سب سے اچھا ہے''۔
(ترمذی 5:9)

ایمان کا اندازہ اخلاق سے ہو۔

اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ وہ ہو جو صاحبِ اَخلاق ہو۔

اللہ تعالیٰ سے ملنے والی سب سے بہتر چیز اَخلاق ہو۔

رسول اللہ ﷺ سے قریب ترین انسان صاحبِ اَخلاق ہو۔

تو پھر اَخلاق کے لیے کوششیں کیوں نہ کریں؟

حسنِ اخلاق کی اہمیت کے بارے میں جاننا اور بات ہے، اُس کی خواہش رکھنا اور اَخلاق بدلنے کا ارادہ کرنا اور بات ہے۔ عام طور پر انسان جان لیتے ہیں، اچھا بھی سمجھ لیتے ہیں لیکن خواہش نہیں رکھتے اور اگر تمنا بھی ہو تو اِرادہ نہیں کرتے جبکہ اَخلاق اِرادے سے

بدلتا ہے۔

نَضْـرَۃُ النَّعِیْم پارٹ ون ''دل بدلے تو زندگی بدلے'' کی دوسری کڑی 'نیت سے اَخلاق بدلنا ہے' اُن لوگوں کے لیے مفید ثابت ہوسکتی ہے جو اپنا اَخلاق بدلنا چاہتے ہیں لیکن بدلنے میں کامیاب نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہوتے ہیں۔ یہ کتاب تبدیلی کے لیے ابتداء کرنے کا کام کرسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اچھے اَخلاق کی طرف رہنمائی فرمائیں اِس لیے کہ اس کے سوا کوئی اچھے اَخلاق کی راہ نہیں دکھا سکتا (آمین)۔

نگہت ہاشمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم سب ایک ایسی ہستی کے اَخلاق کو اپنانا چاہتے ہیں جس کو اپنانے کی دعوت ربُّ العالمین نے دی ہے۔ایک ہی طرح کی حیات،ایک ہی طرح کی زندگی،آغاز تو ایک ہی طرح کا ہوتا ہے۔پیدائش اور جسمانی نشو ونما کے اعتبار سے دیکھیں تو اس ہستی اور ہمارے درمیان کوئی فرق نہیں۔ Biologically اس ہستی کی حیات میں اور عام انسان کی حیات میں ہمیں کوئی فرق نظر نہیں آتا،ایک ہی طریقۂ کار ہے جو رب کا بنایا ہوا ہے۔خَلق اُسی کی ہے اور خُلق کے لیے طریقۂ کار بھی اُسی کا۔ایک اقراء کے لفظ نے اتنا فرق ڈال دیا،ربُّ العزت نے ایک انسان کو فرش سے اٹھا کر کس مقام پر لا بٹھایا!

ہم اَخلاقِ رسول ﷺ کو پڑھنا چاہتے ہیں،سمجھنا چاہتے ہیں،ان کو اپنانا چاہتے ہیں،اس کے لیے ہمیں رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو ضرور پیشِ نظر رکھنا چاہئے۔آپ ﷺ کے لیے کتنی آزمائشیں تھیں!ان آزمائشوں میں آپ ﷺ نے اپنے آپ کو کیسے پابند کیا؟اور آج ہمارے لیے کتنی آزمائشیں ہیں؟ایک ہی لفظ ہمیشہ یاد رکھئے گا اور وہ ہے حیات کے ساتھ اِبتلاء،آزمائش۔حیات بنیادی طور پر ہے ہی آزمائش۔جو لوگ ابتلاء و آزمائش کے بغیر سہولت اور آسانی چاہتے ہیں وہ اِس حیات میں کچھ نہیں کرپاتے،صرف انتظار کرتے ہیں اور زندگی محض انتظار کا نام نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی حیات میں ہم دیکھیں تو خَلق سے خُلق کا سفر ہے۔ مجھے ہمیشہ حیرت ہوتی ہے اُن لوگوں پر جو لوگ محض آپ ﷺ کے خَلق کی صفات بیان کرتے ہیں، آپ ﷺ کے جسمانی اوصاف بیان کرتے ہیں اور بات ختم۔ جسمانی اوصاف میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی کمال نہیں ہے، نہ ہم انہیں اپنا سکتے ہیں، نہ وہ اپنی تخلیق پر کوئی اختیار رکھتے تھے۔ اختیار خُلق پر ہے اور عادات پر۔ یہی امتحان ہے، یہی اِبتلاء ہے۔ ہمیشہ دو میں سے ایک صورت اختیار کرنی پڑتی ہے۔ کبھی مٹی کی محبت حاوی آجاتی ہے، کبھی رب کی محبت۔ اگر اس سفر میں ہم دیکھیں تو کچھ لوگ ہیں جو بین بین رہ جاتے ہیں، نہ مٹی کی محبت میں اپنے آپ کو پوری طرح Involve کرتے ہیں، نہ رب کی طرف پوری طرح سے جا سکتے ہیں۔
اس لحاظ سے نفس کی تین قسمیں یا تین حالتیں بنتی ہیں:

1۔ نفسِ امّارہ

2۔ نفسِ لوّامہ

3۔ نفسِ مطمئنّہ

نفسِ امّارہ سے مطمئنّہ تک کے اِس سفر میں انسان اگر یہ دیکھنا چاہے کہ میں کہاں ہوں؟ تو وہ علم کے توسط سے اندازہ لگا سکتا ہے کہ میں اِس stage پر ہوں۔ ایک دم سے پوری زندگی کا فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے، صفات کے لحاظ سے یہ فیصلہ ہو سکتا ہے۔ جتنا زیادہ کسی کا mind clear ہوتا ہے، اتنا زیادہ اُس کے لیے سفر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ ہمیشہ سفر کرنے کے لیے آغازِ سفر کے مقام کا اندازہ کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ اس وقت میں کہاں ہوں؟ اور ہمیشہ آگے بڑھنے کے لیے انسان کو یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ اب کہاں ہوں؟ اب کہاں ہوں؟ اپنے مقام، منزل، جہاں تک انسان نے پہنچنا ہوتا ہے اس سے اپنی دوری کا اندازہ لگاتا رہے تو سفر جاری رہتا ہے۔ اس کے لیے چھوٹی سی مثال آپ کو دیتی ہوں۔

میں اور میرا بڑا بیٹا جب ہم اکٹھے سفر کرتے تھے تو وہ نہیں جانتا تھا کہ کلومیٹرز کیا ہوتے ہیں؟ مجھ سے ہمیشہ پوچھتا تھا کہ لاہور پہنچنے کے لیے کتنے شہر رہ گئے تو میں اُسے بتاتی تھی کہ اتنے شہر رہ گئے۔ اِس سے وہ اندازہ کر لیتا تھا کہ اب اتنا ٹائم لگے گا تو یہی معاملہ حسنِ اَخلاق کا بھی ہے اور اَخلاقِ سیئہ سے بچنے کا بھی۔

انسان کو یہ اندازہ ہونا چاہیے کہ جس خُلق کو ہم اپنانا چاہتے ہیں اس کی کون کون سی منزلیں ہیں؟ اور آخری منزل آنے تک ابھی کتنی منزلیں باقی ہیں؟ اپنے مقام کا اندازہ ہو تو سفر کا جاری رکھنا آسان ہو جاتا ہے۔ یہ تین صورتیں جو نفس کی ہیں اِن کے بارے میں جاننا اَز حد ضروری ہے کیونکہ بنیادی طور پر یہ نفسِ اَمّارہ سے نفسِ مطمئنّہ کا سفر ہے۔

کبھی کبھار ایسا ہو گا کہ آپ اپنے آپ کو کسی ایک صفت میں نفسِ امّارہ کی stage پر پائیں گے تو دوسری صفت میں اپنے آپ کو نفسِ لوّامہ کی stage پر پائیں گے۔ کسی جگہ پر آپ کو اطمینان بھی ہو گا الحمدللہ کہ یہ صفت، یہ خُلق، یہ عادت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے کہ اِس میں مجھے کامیابی ہوئی، اِس میں کافی حد تک نفسِ مطمئنّہ کے دائرے تک آن پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے اب میرے لیے سفر کی منزلیں آسان کر دیں۔

زندگی کا سفر تو کوئی بھی ہو، ہر سفر میں انسان کو آنے والی منازل مشکل ہی لگا کرتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی سفر کی دُعا یاد ہے آپ کو؟ آپ ﷺ سفر کی منزلوں کی آسانی کے لیے کیا دُعا کرتے تھے؟

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْأَلُکَ فِیْ سَفَرِنَا ھٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلَیْنَا سَفَرَنَا ھٰذَا (صحیح مسلم:327)

”اے اللہ! ہم تجھ سے اپنے سفر میں نیکی اور تقویٰ کا اور ایسے عمل کا جسے تو پسند کرتا ہے سوال کرتے ہیں۔ اے اللہ! اِس سفر کو ہم پر آسان کر دے“۔

ھَـــوِّن سے مراد ہے' آسان کردے'۔ اے اللہ! ہم پر ہمارے سفر کو، ہماری نیکی اور ہمارے تقویٰ کو ہمارے لیے آسان کردے۔

مجھے ہمیشہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے رسول اللہ ﷺ ہر موڑ، ہر موقع پر برّ (نیکی) اور تقویٰ کو نہیں بھولتے تھے۔ یوں زندگی کا سفر کرتے ہوئے برّ (نیکی) اور تقویٰ میں اپنے کمال کو ضرور طلب کیا کرتے تھے اور یہ کہ ہر سفر نیکی اور تقویٰ والا ہو۔ اس زندگی میں کرنے والا کام ایک ہی ہے کہ اپنے آپ کو جنت میں بسانے کے قابل بنانا ہے۔ خُلق یعنی اَخلاق کی طرف توجہ کرنی ہے۔ جو چہرہ رب نے بنایا، رب کا کمال ہے لیکن اپنا ایک چہرہ ہم خود بنانے والے ہیں۔ وہ چہرہ ہمارے اَخلاق، ہمارے رویوں، یعنی Behaviours کا چہرہ ہوگا۔ پھر قرآن کے حوالے سے بھی وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کا علم دیا تھا اِس کی مثال دی کہ اِس کی مثال کتے کی سی ہے جس کو ہڈی ڈالو تب بھی زبان لٹکائے اور اگر نہ ڈالو تب بھی زبان لٹکائے۔ حرص کا چہرہ کیسا ہے؟ کتے کا سا چہرہ، خواہشات کے پیچھے بھاگنے والے کا چہرہ، مٹی کی محبت میں مبتلا رہنے والے کا چہرہ۔ اِن چہروں کو انسان اپنے آگے رکھے تو اپنے لیے آسانی ضرور پیدا ہوجاتی ہے کہ انسان کو اپنی ذات کے لیے کیسا چہرہ چاہیے؟ آگے بات کرنے سے پہلے ہم پچھلا حصہ ایک بار پھر Revise کر لیتے ہیں تاکہ آئندہ سمجھنے میں آسانی رہے۔

ہم نے **نضرۃ النعیم** کی اِس سیریز میں آج تک کیا باتیں پڑھی ہیں؟ سب سے پہلے ہم نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھا۔ اِس کائنات کی سب سے پہلی Reality اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان، زمین، اِس کے درمیان کی ہر چیز کو اور انسان کو پیدا کیا۔ خالق اللہ تعالیٰ ہے، مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ پہلی حقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ دوسری بڑی حقیقت کیا ہے؟ یہ کائنات اللہ تعالیٰ نے پیدا کی۔ ہم کیوں جانیں؟ ہمیں یہ جاننے کا کیا فائدہ ہو

گا؟ کائنات اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے، اِس سے ہماری ذات پر کیا اثر ہے؟ اگر ہم یہ نہیں بھی جانیں گے کہ کائنات اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے یا نہیں تو ہمارے اوپر کیا فرق پڑے گا؟ یعنی اس کا ہمارے اَخلاق سے کیا تعلق ہے؟

- شکر کا جذبہ نہیں پیدا ہوتا۔
- ذات کی حقیقت کا نہیں پتہ چلتا۔
- کائنات میں بھی انسان کے لیے Lesson ہے۔
- رب کی عظمت کا احساس ہوتا ہے۔

دیکھیں! ایک ہندو ہے سورج کو سجدہ کرسکتا ہے، چاند کو سجدہ کرسکتا ہے، کسی درخت، کسی پہاڑ، کسی بہتے دریا کے پانی کو۔ اِس کا اثر کس پر پڑتا ہے؟ انسان پر۔ اگر انسان کائنات کے بارے میں صحیح عقیدہ نہیں رکھتا تو اُس کی سوچ، اُس کا عقیدہ، کائنات کے بارے میں اُس کا تصور بدل جاتا ہے۔ اگر فرض کریں یہ بھی نہ ہو اور فقط یہ بات ہو کہ Big bang ہوا تھا اور کائنات بن گئی۔ کائنات کے آغاز و انجام کے بارے میں اگر ہم کوئی نقطۂ نظر نہیں رکھتے تو اِس سے کیا فرق پڑے گا؟ انسان ڈپریشن کا شکار ہو جاتا ہے۔ انجام کو سامنے نہ رکھے تو انسان اپنے آپ کو غیر ذمہ دار سمجھتا ہے۔ کائنات کے بارے میں سوچنے کی کیا ضرورت ہے؟ اپنے بارے میں، اپنے آغاز اور انجام کے بارے میں سوچنے کے لیے ایک چھوٹا سا نقطہ ہے، اِس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

کائنات ہمارا گھر ہے اور گھر کے بارے میں صحیح نقطۂ نظر ہونا ضروری ہے۔ یہ ایک triangle (مثلث) ہے جس کے بارے میں اگر نقطۂ نظر خراب ہو گیا تو اگلے سارے معاملات خراب ہو جائیں گے۔ ایک انسان اگر کائنات کے بارے میں درست تصور نہیں رکھتا تو وہ رب کے بارے میں بھی درست رویہ نہیں رکھتا کیونکہ جہاں کائنات کے آغاز کے بارے میں تصور

خراب ہوا، وہاں اپنے بارے میں بھی نقطۂ نظر خراب ہوگیا اور انجام کے بارے میں نقطۂ نظر خراب ہوا تو پھر کائنات کے انجام کے بارے میں، ربّ کے بارے میں بھی نقطۂ نظر خراب ہوگیا۔ وہ کسی آغاز اور کسی انجام کے بیچ میں نہیں تو یہ اتنی سادہ سی بات ہے کہ چھوٹا بچہ بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، یہ تب تک رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ پھر یہ کائنات ختم ہوجائے گی۔ جس دن ختم ہوئی وہ دن قیامت کا ہوگا۔ پھر جب سب کچھ ختم ہوجائے گا اللہ تعالیٰ اِسے جمع کرے گا۔ پھر انسان کو زندہ کیا جائے گا، اُس سے اُس کی زندگی کا حساب کتاب لیا جائے گا اور پھر اُس کے انجام کے بارے میں آگاہ کیا جائے گا۔ نیک اعمال کرنے والے، اپنے خُلق کو بہتر بنانے والے جنت میں چلے جائیں گے اور باقی سب جہنم کا ایندھن بنا کر جلا دیئے جائیں گے۔

اِس لحاظ سے اگر دیکھیں تو انسان کی حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ انسان بامقصد پیدا کیا گیا، اس کی زندگی کے مختلف مراحل مقرر کئے گئے، کل نہیں تھا، آج ہے، کل پھر نہیں ہوگا اور آئندہ پھر پیدا کیا جائے گا۔ انسان اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوا، جب نہیں تھا تب بھی کوئی اختیار نہیں تھا، اب وہ ہے تب بھی اختیار نہیں ہے، جب نہیں ہوگا تب بھی اختیار نہیں ہوگا، جب دوبارہ پیدا ہوگا تب بھی اختیار نہیں ہوگا۔ پھر اختیار کہاں ہے؟ اِس مختصر سی زندگی میں محض صحیح اور غلط، خیر اور شر، حق اور باطل کو اپنانے یا ٹھکرانے کے بارے میں اختیار ہے۔ ایک انسان اپنے اختیار کو استعمال کرسکتا ہے، اِسی اختیار کی آزادی کی وجہ سے انسان اِبتلاء میں ہے، آزمائش میں ہے۔ قرآن مجید میں ربُّ العزت نے فرمایا:

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا

(الملک:2)

’’اُس نے موت اور زندگی کو اِس لیے پیدا کیا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم

میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے؟''

یہ زندگی آزمائش ہے، یہ زندگی امتحان ہے، یہ زندگی ابتلاء ہے۔ اِس زندگی میں ہمارا یہی کام ہے کہ ہم امتحان میں کامیابی کے لیے تیاری کریں اور ناکامی سے بچنے کی کوشش کریں۔ ہم نے تین باتوں کو دیکھا ہے:

❶ اللہ ❷ انسان ❸ ابتلاء

اللہ تعالیٰ نے اِس کام کے لیے چوتھی مہربانی ہم پر کی کہ ہمارے لیے انبیاء اور رسل کو اِس زمین پر بھیجا، کتابیں بھیجیں، وحی کا اہتمام کیا۔ اب ہمارے پاس قرآن اور سنتِ رسول ﷺ کی صورت میں guidance menual موجود ہے۔

چوتھی چیز ہم نے دیکھی تھی انسانی زندگی کے لیے دو رویے: تقویٰ اور فجور۔ وحی کے ذریعے سے انسان فیصلہ کرسکتا ہے کہ اُس نے اللہ تعالیٰ کے خوف کے تحت زندگی بسر کرنی ہے یا اُس کے خوف کے بغیر؟ ایک طرف تقویٰ ہے، خدا خوفی، پرہیزگاری ہے اور دوسری طرف فجور ہے، خدا سے بے خوفی اور خدا کی ناپسندیدگی ہے، اللہ تعالیٰ کا غضب، اُس کی ناراضی ہے۔ اِسی طرح ہم نے دیکھا تھا کہ تقویٰ کے لیے اچھی نیت کا ہونا ضروری ہے اور فجور کے لیے بری نیت کا ہونا ضروری ہے۔

ایک انسان جونہی سوچتا ہے تو یا تو وہ right کی طرف چلا جاتا ہے یا left کی طرف، لہٰذا احسنِ نیت سامنے آتی ہے تو اس کی وجہ سے انسان اچھا کام کر جاتا ہے اور اگر کہیں وہ بری نیت کر بیٹھے، برا اِرادہ کر بیٹھے تو پھر وہ فجور کا مسافر ہو جاتا ہے، پھر اُس کی زندگی فجور کے مطابق گزرنے لگتی ہے تو یہ اِبتلاء، آزمائش جس میں انسان مبتلا ہے، کون سی بنیادی چیز اِس میں کام دیتی ہے؟ اگرچہ وحی انسان کو شعور دیتی ہے، اگرچہ رسول رہنمائی کرتے ہیں لیکن کرنا تو انسان نے خود ہے، کرنے کا کام تو اُس کا ذاتی ہے۔ اُس نے کیا کرنا ہے؟ نیت۔

آپ نے کبھی نوٹ کیا حدیث کی کتابوں میں عموماً پہلی حدیث کون سی ہوتی ہے؟

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (بخاری:1)

''یقیناً اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے''۔

میں نے جب کسی سے پوچھا کہ نیت کی حدیث پہلے کیوں آئی تو جواب ملا: اِس لیے کہ چھوٹی ہے حالانکہ یہی بات سب سے زیادہ بڑی ہے کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ لہٰذا آج آپ یہ طے کرلیں کہ کوئی کام کرتے ہوئے اپنے آپ کو حسنِ نیت سے محروم نہیں رکھنا۔ آپ دیکھیں اچھی نیت کے لیے کچھ کرنا نہیں پڑتا، اندر ہی اندر نیت ہو جاتی ہے اور انسان حسنِ نیت کرلیتا ہے اور یہ یاد رکھیں کہ بری نیت کبھی نہیں کرنی۔ انسان بری نیت کیسے کرتا ہے؟ انسان جب نیکی کا ارادہ نہیں کرتا تو نیکی سے پیچھے رہ جاتا ہے، نیکی سے پیچھے رہنے سے عذر قبول کرلیتا ہے تو برا ارادہ ہوگیا۔

انسان بری نیت کیسے کرتا ہے؟ نیکی کا ارادہ نہ کرنا، یہ ہے بری نیت اور اِس کا انسان کو پتہ ہی نہیں چلتا۔ انسان یہ کہتا ہے کہ دراصل میں نے نیکی کا یہ کام اِس لیے نہیں کیا کہ میری فلاں مجبوری ہے، میرے فلاں مسائل ہیں حالانکہ امتحان تو اِسی چیز کا ہے کہ انسان اپنی مجبوریوں، عذرات، مسائل سے اپنے آپ کو نکال لے۔ حسنِ نیت، اچھی نیت اور اچھا اِرادہ ہے۔ انسان اِرادہ کرلے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضرور مدد آتی ہے۔ بس انسان کو اللہ تعالیٰ نے اِرادے میں ہی کمزور پایا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا جب پہلا امتحان ہوا تھا تبھی یہ بات سامنے آئی تھی کہ اِرادے میں کمزوری ہے اور شیطان یہی کام کرتا ہے کہ اِرادے کو کمزور اور کھوکھلا کردیتا ہے اور انسان یہ سمجھتا ہے کہ میں نے تو برائی کی نیت ہی نہیں کی لیکن برائی کی نیت تو ہوگئی جب آپ نے بھلائی کا کام چھوڑا۔ بھلائی کا کام چھوڑنا ہی تو برائی کی نیت ہے، جس کے بارے میں سوچا ہی نہیں کہ میں نے برا کام کرنے کا سوچا ہے یا برے کام کی نیت کی ہے۔ لہٰذا

بھلائی کے کام کی نیت نہ کرنا یا اس کا کمزور ارادہ کرنا، یہی دراصل بری نیت ہے۔

جہاں تک فجور کا معاملہ ہے تو بہت بڑی بڑی برائیوں کو فجور کہتے ہیں۔ بڑی برائیوں کا آغاز ہمیشہ ابتدائی طور پر چھوٹی برائی سے ہوتا ہے، جو چھوٹی دکھائی دیتی ہے لیکن ہوتی نہیں۔ مثلاً آپ دیکھیں کہ کشتی بالکل صحیح سالم ہے لیکن ایک چھوٹا سا سوراخ اِسے ڈبونے کے لیے کافی ہے۔

اِسی طرح غبارے میں ہوا بھری ہوئی ہے، بڑا خوبصورت لگ رہا ہے۔ ایک پن چبھو دیں، کیا اِس میں ہوا ٹھہرے گی؟ نہیں ٹھہرے گی۔ پھر آپ دیکھیں کہ کوئی مائع کسی چیز میں بھر دیں۔ مثال کے طور پر ایک پلاسٹک کی بوتل ہے جس میں مشروب [soft drink] یا کوئی اور چیز ہے، اِس میں چھوٹا سا ایک سوراخ ہو جاتا ہے، پھر کیا ہوگا؟ کیا اندر وہ سب کچھ باقی رہے گا، بظاہر سب کچھ ٹھیک ٹھاک رہے گا لیکن بہہ جائے گا۔ یہ مشروب کا بہہ جانا یا ہوا کا نکل جانا یا کشتی کا پانی سے بھر جانا کیا ثابت کرتا ہے؟ کہ اب اِس کی فطری حالت بدل گئی اور ایسے بدلی ہے کہ محسوس بھی نہیں ہوا۔ اگر آپ غبارے میں سے سوئی کا نشان تلاش کرنا چاہیں تو شاید نہ ملے، کیا آپ اِس کا اندازہ وہاں سے کر سکتے ہیں جہاں سے ہوا نکل رہی ہو؟ نشان نظر نہیں آئے گا۔ ایسے ہی انسان کی زندگی میں اُسے بری نیت محسوس نہیں ہوتی لیکن اندر سے ساری نیکی، نیکی کا جذبہ، سب کچھ نکل جاتا ہے، ہر چیز بہہ جاتی ہے اور آپ دیکھیں کتنی مشقتوں سے، کتنی محنتوں سے انسان اِس مقام پر پہنچتا ہے کہ اپنے لیے نیکیاں کمالے۔ ایک برا ارادہ، ایک نیکی کو چھوڑنا انسان کو کہاں تک لے جاتا ہے؟ ہم نے قرآنِ حکیم سے ایک شخص کی مثال کو دیکھا کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کا علم عطا کیا تھا لیکن اُس نے زمین کی محبت میں اِس علم کی پرواہ نہیں کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُس کی مثال کتے کی سی ہے۔ علم حاصل کرنے کے باوجود انسان کتے جیسا ہو جائے؟ وحی کا علم حاصل کرنے کے

باوجود، اللہ کا علم حاصل کرنے کے باوجود کس چیز نے اِسے خراب کر دیا؟ حرص نے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان اچھی نیت، اچھا اِرادہ نہیں کرسکتا تو اِس کی وجہ سے وہ نیکی سے بھی محروم ہو جاتا ہے، نیکی کا کام نہیں کرسکتا، اِس کے ساتھ ساتھ دوسرا عمل خود بخود ہوتا ہے کہ جب اندر سے نیکی کے جذبے خالی ہو رہے ہوتے ہیں تو ساتھ ہی جگہ خالی ہو رہی ہوتی ہے، اب وہ جگہ کس کے لیے خالی ہو رہی ہے؟ انسان کے اندر خلا پیدا ہو گیا۔ ہمیشہ انسان کے اندر یہ مسئلہ رہتا ہے۔ جب تک ایک انسان کی زندگی اچھے اِرادوں والی، حسنِ نیت والی، اچھے کاموں والی رہتی ہے تو اُس کی زندگی میں خلا نہیں آتا۔ جہاں بھی خلاء پیدا ہوتا ہے پھر اِس کو بھرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اِس خلا کو انسان رب کے تعلق سے، رب کی یاد سے بھر سکتا ہے لیکن leakage ہو رہی ہے۔ پھر جانتے ہیں کیا ہوتا ہے؟ انسان کے اندر حرص آنا شروع ہو جاتی ہے، خواہشات کی محبت، دنیا کی محبت جگہ بنا لیتی ہے۔ اِس کے جگہ بنانے کی وجہ سے ایک انسان تقویٰ سے فجور کی طرف [shift] ہو جاتا ہے۔

آپ لوگوں میں سے اکثر لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ ہم نیکی کے کام کرتے ہیں، اچھے خاصے ٹھیک ٹھاک جا رہے ہوتے ہیں، پتہ نہیں چلتا کہ یہ چیز کہاں سے آتی ہے اور یوں لگتا ہے کہ سب کچھ خالی ہو گیا۔ پھر یوں لگتا ہے کہ جیسے کبھی نیکی کے کام کیے ہی نہیں تھے۔ یہ leakage ہے، اِس کو روکنا ہے۔ جب تک leakage کو نہیں روکیں گے اُس وقت تک آپ کے پاس کچھ بھی نہیں بچے گا اور اگر آپ کے پاس کچھ جمع ہو گا تو وہ حرص ہے، ھواء یعنی خواہشات کی محبت اور جانتے ہیں کہ اِس کی وجہ سے اندر کیا آتا ہے؟ شکوک وشبہات آتے ہیں۔ شک کس بات میں ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے کلام میں۔ جو بھی اللہ تعالیٰ کا نام لے، اُس پر شک ہو جاتا ہے خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا ہو یا نہ ہو، اُس کی ذات کے بارے میں شک، اُس کے معاملات میں شک۔ اِس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان اچھے لوگوں کی صحبت

سے بھی محروم ہو جاتا ہے اور وہ جو ایک آس ہے، ایک اُمید ہے کہ اچھے لوگوں کے درمیان رہتے ہوئے انسان تواصوا بالحق کی وجہ سے برائی سے بچ جاتا ہے، پلٹ سکتا ہے، وہ بات بھی ختم ہو جاتی ہے۔ ایک انسان کا بھلائی کا اِرادہ نہ کرنا، بھلائی کی نیت نہ کرنا، نیکی کی نیت نہ کرنا انسان کو کہاں پہنچا دیتا ہے؟ آپ اپنی زندگی سے مثال دیں: کیا کبھی ایسا ہوا کہ کوئی نیکی کا کام کرنا ہو اور آپ اِس سے رُک گئے ہوں کہ جب میں اُسے پورا نہیں کر سکتی تو میں اِس کی نیت بھی کیوں کروں؟ مثال کے بغیر ایسی چیزیں سمجھ نہیں آتیں اور اگر میں آپ کو ایک ہزار مثالیں بھی دے دوں تو آپ کے لیے یہ مؤثر [Effective] نہیں ہو سکتیں جب تک کہ آپ اپنی زندگی سے وہ مثالیں نہیں نکالیں گے۔ یہ تو Interactive کلاس ہے اور دو طرفہ معاملات جاری رہیں گے۔

طالبہ: جیسے کزن سے پردہ کرنے کا معاملہ ہے تو اندر عذر ہے کہ ہو نہیں سکتا۔

استاذہ: اِرادہ نہیں کر رہے کہ یہ ہو نہیں سکتا۔

طالبہ: جیسے ابو اور ماموں بیٹھے ہوئے تھے اور اُس وقت میں سوچ رہی تھی کہ کیا میں اس وقت کوئی نیکی کی بات بتا سکتی ہوں مگر میں رک گئی۔ میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ میں اِن کو کیسے بتا سکتی ہوں؟ اِنہیں تو سمجھ ہی نہیں آنی۔

استاذہ: نفس کے یہ معاملات جب تک کھل کے سامنے نہیں آئیں گے، وسوسے آئیں گے، اندر سے برائی کرنے کی خواہش نہیں ہے لیکن اندر سے نیکی سے رکنے کا سلسلہ ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے ایک انسان کی Shifting ہو جاتی ہے۔ بھلائی کے کام سے رُکنا دراصل تقویٰ نہیں ہے۔ بھلائی کے کام سے رُکنا انسان کو کہاں لے جاتا ہے؟ بتدریج [Gradually] خود کو بھی اور دوسروں کو بھی بھلائی سے محروم کر دیتے ہیں اور یوں ماحول کے اندر تبدیلی نہیں آتی۔

طالبہ: بہت سے چھوٹے چھوٹے کاموں کے حوالے سے میرے ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ میں اِن کو کر نہیں پاؤں گی تو شروع کرنے کا کیا فائدہ؟ اِس وجہ سے پھر میں اُس کام کو ترک کر دیتی ہوں کہ جب میں کر ہی نہیں سکتی تو شروع کرنے کا کیا فائدہ؟ یعنی مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میرے اِرادے میں کمی ہوتی ہے۔

استاذہ: آپ رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے اس کو سمجھیں۔ رسول اللہ ﷺ کا مشن مکمل نہیں ہوا، وہ جاری ہے۔ جب تک انسان اِس دھرتی پر موجود ہے رسول اللہ ﷺ کا مشن جاری ہے۔ اگر اس کو دیکھنا چاہیں تو رسول اللہ ﷺ کے آخری خطبے میں سے دیکھ سکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

بَلِّغُوا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً (بخاری:3461)

''مجھ سے پہنچا دو اگرچہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو''۔

فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ (بخاری:1739)

''جو حاضر ہیں اُن تک پہنچا دیں جو غائب ہیں''۔

آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ میں نے اپنی استطاعت کی حد تک اسے پورا کر دیا لیکن اِس مشن کو رب نے اس طرح سے جاری رکھا کہ اِس کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ ایک سلسلہ آپ ﷺ کی زندگی کی حد تک تھا۔ پیغام پہنچانے کا یہ سلسلہ اُمتِ مسلمہ کی ذمہ داری ہے، قیامت تک کے لیے یہ کام ہوتے رہنا ہے لیکن پیچھے والے ناخلف جانشین ثابت ہوئے، سب لوگوں نے اِسے آگے نہیں پہنچایا۔ کچھ لوگوں نے پہنچانا شروع کیا تو پیغام مسلسل منتقل [transfer] ہو رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کبھی اِس وجہ سے نہیں رُکے تھے کہ یہ کام میری زندگی میں تو ہو نہیں سکتا، اِس لیے میں اسے شروع نہ کروں یا میں اِسے آگے پہنچانے سے پہلے یہ دیکھ لوں کہ انجام کیا ہوگا؟

میرے ابا جی کے بہت اچھے دوست تھے اسد گیلانی صاحب (وفات پا چکے، اللہ تعالیٰ اُن پر اپنی لاکھوں ہزاروں رحمتیں کرے)۔ میں جب اپنا Thesis کر رہی تھی تو ابا جی نے کہا کہ میں اُن سے گائیڈ لائن ضرور لے لوں۔ میں جب اُن کے پاس گئی وہ ان اولیاء کے حوالے سے بات کر رہے تھے جنہوں نے برِصغیر پاک و ہند میں خدمات انجام دیں۔ پھر مجھے کہنے لگے کہ زندگی کا کثیر حصہ ہم نے اسلامی انقلاب کے لیے کوششیں کرنے کے لیے لگا دیا لیکن یہ آنکھیں اسلام کی بہاریں نہیں دیکھ سکیں، اِس وجہ سے دل کو بہت تکلیف ہوتی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ ہمارا سارا کام ضائع چلا گیا۔ جب میں واپس گئی تو ابا جی کو بتایا کہ چچا جی تو ایسے کہتے ہیں کہ ہمارے کام کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ جو بات ابا جی نے کہی وہ اتنی زیادہ اہم تھی کہ آج تک اِس نے مجھے بہت مدد دی۔ کبھی ایک چھوٹا سا فقرہ انسان کے لیے مشعلِ راہ بن جاتا ہے۔ ابا جی نے کہا کہ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اپنی استطاعت کے مطابق جو کچھ اسلام کی خدمت کر رہے ہیں کرتے رہیں، انجام تک پہنچانا ربّ کا کام ہے ہمارا کام نہیں۔ یہ ربّ کی ذمہ داری ہے کہ وہ کب اسے انجام تک پہنچاتا ہے؟ کس کے توسط سے پہنچاتا ہے؟ لہٰذا اپنا کام کرتے رہنا ہے اور اپنا کام کیا ہے؟ کہ ہم اپنی استطاعت کے مطابق جو کچھ ممکن ہے وہ فریضہ انجام دیتے رہیں، وہاں کمی نہ چھوڑیں۔

انسان بعض اوقات اِس لیے نیکی کے کام کرنے کا اِرادہ نہیں کرتا کہ اگر میں نے اِرادہ کر لیا تو پھر کرنا پڑے گا اور میں کر نہیں سکوں گا۔ لہٰذا میں اِرادہ ہی نہ کروں تو حسنِ نیت کے ثواب سے محروم ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ کام ہو جاتا اور اِس میں بہت زیادہ برکتیں ہوتیں۔ اب انسان اگر وہ برکتوں والا کام اپنے اِرادے کی وجہ سے، اپنی

حسنِ نیت کی وجہ سے نہیں بھی کر سکا تو بہر حال اُسے نیت کا پھل تو ملے گا۔ حسنِ نیت بہت بڑی چیز ہے۔

طالبہ: یہی بات میں سوچ رہی تھی کہ آج سے تین سال پہلے ایک کام کرنے کا اِرادہ کیا تھا اور بظاہر کچھ اسباب نہیں تھے صرف ایک نیت تھی، اِس نیت نے اتنی خیر جھولی میں ڈالی کہ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اتنے راستے کھلیں گے لیکن اب جب سے میں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ یہ کام مجھ سے نہیں ہوگا تو آگے جانے پہ stop لگ گیا، اب ایک قدم بھی آگے نہیں جایا جاتا۔ واقعی نیت کی بہت زیادہ برکت ہے، اللہ تعالیٰ ہی انسان کو لے کر جاتا ہے، خود نہیں جا سکتے۔

استاذہ: حسنِ نیت انسان کی ضرورت ہے۔ بس یوں سمجھ لیں کہ حسنِ نیت والی نیکی تو کبھی نہیں چھوڑنی چاہیے۔ بھلائی کی نیت، بھلائی کا رادہ انسان کی طرف سے ہے اور مدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ اَسباب رب پیدا کرتا ہے اس لیے ایک انسان انجام کی طرف نہ دیکھے۔ مثال کے طور پر ہم نے یہ کورس شروع کیا تو کیا ہم میں سے کوئی یہ جانتا ہے کہ ہمیں زندگی کی اتنی مہلت ملے گی؟ میں یا آپ؟ کوئی بھی نہیں، یہ تو رب ہی جانتا ہے لیکن ایک کام کا آغاز ہو گیا تو ٹھیک ہے جتنا کر سکیں گے، جتنا اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کی مدد بھی ہوگی۔ پھر اس کی طرف سے اسے قبول بھی کیا جائے گا اور پھر اس کے توسط سے جو فائدہ ہمیں ہوگا، ہماری نسلوں کو ہوگا اللہ تعالیٰ اس کا اجر بھی دے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ لہٰذا نیکیوں کا دروازہ، جنت کا دروازہ حسنِ نیت سے کھلتا ہے، اس لئے حسنِ نیت کو کبھی نہیں چھوڑنا، بھلائی کا اِرادہ کرنا کبھی نہیں چھوڑنا انشاء اللہ تعالیٰ۔

اِسی طرح سے اگلی چیز ہم نے دیکھی ہے الدعوہ۔ دعوۃ کیا ہے؟ تقوی کی ترغیب اور

عذاب کا ڈراوا۔اور تقویٰ کیا ہے؟ دنیا کی سعادت اور آخرت کی نجات۔تقویٰ کی دعوت کیا ہے؟ دنیا کی خوش بختی،آخرت کی کامیابی۔عذاب کا ڈراوا کیا ہے؟ کہ ایک انسان دنیا کی بدبختی اور آخرت کی ناکامی سے بچ جائے۔قبر اور آخرت کے جو سوالات ہیں اور قبر اور آخرت کا جو عذاب ہے اس سے بچ جائے۔لہٰذا جو چیزیں انسان کو نیکی کے راستے پر لے جانے والی ہیں (مثلاً اللہ تعالیٰ کا تعلق،انسان کی اپنی حیثیت،مقصدِ زندگی،وحی،تقویٰ اور فجور میں سے ایک کا انتخاب کرنا،اِسی طرح حسنِ نیت کرنا اور بری نیت سے بچنا) ہی دعوتِ دین ہے۔

اگلی چیز ہے العلم۔اس کے لیے انسان کی سماعت،بصارت اور اس کے قلب کا تعلق چاہیے۔سننا،دیکھنا،سوچنا اور غور وفکر کرنا 'العلم' کی ضرورت ہے۔آپ جو مکارمِ اَخلاق کے طالبِ علم ہیں،آپ العلم حاصل کر رہے ہیں یا علم؟ العلم کون سا ہوتا ہے؟ خاص علم جس کا حکم رسول اللہ a نے دیا اور جس کے بارے میں ربُّ العزت نے فرمایا:

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (الزمر:9)

''کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں کبھی یکساں ہو سکتے ہیں؟''

اور جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَاِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ (ابو داؤد ح 364)

''علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں''۔

جس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''ایک عالم کو عبادت گزار کے مقابلے میں ایسی حیثیت حاصل ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کو تاروں پر فوقیت حاصل ہے''۔(ابوداؤد:3641)

علم کے لیے کس چیز کی ضرورت ہے؟ عقل کی۔ اگلا پوائنٹ [point] عقل ہے۔ یعنی علم عقل کے بغیر نہیں، ایک طرف رکھ کے نہیں اور عقل کے لیے آپ دیکھیں کہ کیا کیا چیزیں مددگار رہوتی ہیں؟ یا انسان کو کون سے tools استعمال کرنے پڑتے ہیں؟

- التفکر
- التدبر

پیچھا کرنا، ایک چیز کو ذہن میں رکھ کے اسے سوچتے رہنا، یہ غور و فکر بھی ہے لیکن اسے ذہن میں رکھ کے پھر کسی منزل تک پہنچنا، اس کی حقیقت تک پہنچ جانا، یہ تدبر ہے۔ اسی طرح عقل کے لیے اُمید کی ضرورت ہے۔ عقل ماؤف ہو جاتی ہے اگر انسان نا اُمید ہو جائے، پھر انسان بھٹک جاتا ہے۔ ابھی جیسے آپ نے یہ کہا کہ بھلائی کے کام سے اس لیے رک جاتے ہیں کہ کون سا یہ پورا ہو سکتا ہے؟ تو یہ کیا ہے؟ نا اُمیدی کہ یہ کام کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔ یہ بھلا کیسے ممکن ہے؟ نا اُمیدی آ گئی۔ اُمید ہی تو عقل کو قائم رکھتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ يٰعِبَادِیَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر:53)

''(اے نبی ﷺ!) کہہ دو: اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پہ زیادتی کی ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ''۔

اسی طرح بصیرت [Insight] ہے۔ یہ چار چیزیں ہوتی ہیں تب انسان کا شعور بیدار ہوتا ہے، تب وہ active ہوتا ہے، تب کہیں جا کر اس کے اندر حکمت کے آثار پیدا ہوتے ہیں۔ حکمت کے لیے کس چیز کی ضرورت ہے؟ کون سی activity چاہیے؟

انسان سے مطالبہ کیا ہے؟ کہ وہ تفکر کرے، تدبر کرے، اُمید رکھے، بصیرت [Insight] سے کام لے اور بیدار رہے، غافل نہ ہو۔

اگلی چیز ہے اسلام۔ اسلام کیا ہے؟ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا۔ یہ ایک drastic change ہے۔ اندر کی تبدیلی ایسے ممکن نہیں ہے جب تک ایک انسان کا شعور کسی کی حقیقت کو قبول نہیں کرتا، اپنا آپ اپنے ربّ کے حوالے نہیں کر سکتا۔

کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ ہم اس بات کو آپس میں discuss کریں کہ اندر کی تبدیلی میں اپنا نفس کیسے رکاوٹ بنتا ہے؟ مثال کے طور پر اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنے ہیں تو کچھ معاملات بچا کے الگ کر کے رکھ لیے جاتے ہیں۔ وہاں انسان چاہتا ہے کہ یہاں میں خود فیصلے کروں، وہاں وہ چاہتا ہے کہ یہ معاملات بچے رہیں۔ وہاں خدا اعتمادی نہیں ہوتی بلکہ خود اعتمادی ہوتی ہے، وہاں سے انسان ٹھوکر کھاتا ہے۔ اس کھڑکی سے آپ دیکھیں تو کبھی مجھے لگتا ہے کہ انسان کے اندر کا معاملہ اور قبر کا معاملہ کتنا ملتا جلتا ہے! جیسے ایک انسان قبر میں ہوگا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اگر وہ نیک ہوگا تو جنت کی طرف کی ایک کھڑکی کھل جائے گی اور اگر وہ برا انسان ہوگا تو جہنم کی طرف کی کھڑکی کھل جائے گی"۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

دنیا کی زندگی میں جب ہم اپنے پیچھے کی کھڑکی کو دنیا کی محبت میں کھول کر رکھتے ہیں کہ یہاں سے ہم اپنی مرضی کے کام کر سکیں تو یوں سمجھ لیں کہ یہ آگ ہے جس کی لپٹیں اندر والے انسان کو بھی جلا دیتی ہیں۔ یہی تو جہنم کی آگ ہے، یہی تو انسان کے اندر بھڑکتی ہے، نیکیوں کو بھی بھسم کر کے رکھ دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کیا چاہتے ہیں؟

اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً (البقرہ:208)

''اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ''۔

پورا داخلہ چاہیے۔ پھر اپنی مرضی، اپنی خواہش کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اندر کی تبدیلی کیسے آتی ہے؟ آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا اندر تبدیل ہو جائے؟ تو اس اندر کی تبدیلی کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اندر کی تبدیلی تب آتی ہے جب ایک انسان اپنے نفس پر اپنا کنٹرول نہ رکھنا چاہے۔ رسول اللہ ﷺ کو دیکھنا چاہتے ہیں اپنی زندگی میں انہوں نے کیا کیا؟ ہر خطبے میں آپ یہ کہتے تھے:

وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا (ترمذی، ابن ماجہ)

''ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اپنے نفسوں کے شر سے اور اپنے اعمال کی برائیوں سے''۔

دوسری طرف آپ ﷺ کی دعا دیکھئے گا:

اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْا (ابوداؤد 5090)

''اے اللہ! میں تیری رحمت کا اُمیدوار ہوں''۔

دل اُمید سے روشن ہے۔ روشنی کس طرح ہوتی ہے؟ 'تیری رحمت کا امیدوار ہوں'۔ کوئی کام ہو، کسی طرح کا معاملہ ہو، حسنِ نیت تبھی ہو سکتی ہے، اچھی نیت، اچھا ارادہ انسان تب کر سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اُمیدوار ہو۔ اے اللہ! میں تیری رحمت کا اُمیدوار ہوں، آپ مجھے میرے نفس کے حوالے ایک لمحے کے لیے بھی نہ کرنا۔

اب آپ دیکھئے کہ نفس کہاں ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے جو نفس کی بات کی کہ ہے تو اپنے پاس لیکن اِسے خدا کی امانت سمجھا کہ اے اللہ! یہ نفس تیرا ہے، تیرا دیا ہوا لیکن اے اللہ! اِسے کسی کے حوالے نہ کرنا، میرے معاملات کی اصلاح کر دینا، تیرے سوا

کوئی غلامی کے لائق نہیں ہے، عبادت کے لائق نہیں ہے۔ لہٰذا یاد رکھئے گا: انسان کے اعمال کی اصلاح تب ہوتی ہے جب وہ اپنے نفس کے شر سے بچ جائے اور اس کے شر سے انسان کیسے بچ سکتا ہے؟ اپنا آپ اللہ کے حوالے کردے اور اللہ تعالیٰ تو نبیوں سے بھی یہ پوچھتے ہیں کہ آپ بتاؤ آپ نے اپنا آپ اللہ تعالیٰ کے حوالے کردیا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کہا تھا: اَسۡلِمۡ کہ آپ اپنا آپ اللہ تعالیٰ کے حوالے کردو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا کہا تھا؟ اَسۡلَمۡتُ لفظ تو چار ہی ہیں (ا س ل م)۔ اسلام میں پانچ حروف ہیں لیکن پوری زندگی کو جب تک اللہ تعالیٰ کی مٹھی میں نہیں دے دیتے، اسلام قبول نہیں کرسکتے۔ حضرت ابراہیم g نے کہا تھا:

اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ (البقرۃ:131)

''میں مالکِ کائنات کا 'مسلم' ہوگیا''۔

اپنے آپ سے پوچھ کر دیکھیں آپ نے اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے حوالے کردیئے یا مشکل ہے؟ کیا حسنِ نیت کرسکتے ہیں؟ اچھا اِرادہ کرسکتے ہیں؟ دیکھیں کتنی اُمید ہے اچھے اِرادے میں! اپنے پاس تو کچھ ہے ہی نہیں اگر آپ اپنی طرف دیکھیں گے تو اِرادہ کرہی نہیں سکیں گے:

اَللّٰھُمَّ رَحۡمَتَکَ اَرۡجُوۡا (ابو داؤد 5090)

''اے اللہ! میں تیری رحمت کا اُمیدوار ہوں''۔

اسلام لانا چاہتے ہیں؟ اپنا آپ اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنا چاہتے ہیں؟ تو آپ discuss کریں کیا بات ذہن میں آتی ہے؟ اِرادے کے راستے میں رکاوٹ کیا بنتی ہے؟

طالبہ: جب بات ہوتی ہے تو سمجھ آتی ہے تب اِرادہ بھی بن جاتا ہے لیکن مجھے ایسا لگتا ہے کہ کچھ عرصے بعد وہ چیزیں چھپ جاتی ہیں، ذہن پر کچھ اور چیزیں حاوی آجاتی ہیں۔

استاذہ: اِس کے لیے 'مجالس الصالحین' کی ضرورت ہے، نیکی کی اور نیک لوگوں کی مجلسوں کی اور یہ کہ ایسے علمی ماحول کی جس کی وجہ سے وہ کبھی نہ چھپیں اور دہرانے کی بہت ضرورت ہے۔ دہرانا بھی یوں نہیں کہ کسی وقت پہ دُہرالیا۔ دیکھیں رسول اللہ ﷺ کیسے دُہرایا کرتے ہیں! بیدار ہوتے ہی، تہجد کے لیے اُٹھتے ہیں اور فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْحَقُّ (مسلم 1808)

"اے اللہ! تیری ذات حق ہے"۔

اے اللہ! تیرا بنایا ہوا ہر سسٹم حق ہے۔ اب آپ دیکھیں Revise ہو گیا ناں! سوچ کا رُخ مڑ گیا۔ اِس لیے دُہرانا بہت زیادہ ضروری ہے۔ دُعائیں بہت زیادہ ضروری ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی دعائیں Revise کرواتی ہیں۔ اسی لیے تو رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اگر آپ اپنی مرضی کا طریقۂ کار اختیار کروگے تو آپ کے لیے بہت مشکل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ذہن میں ہر وقت یہ بات کیوں حاضر رہتی تھی؟ اس لیے کہ آپ اللہ تعالیٰ کو کبھی نہیں بھولتے تھے اور اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنا کبھی نہیں بھولتے تھے۔

طالبہ: دُعاؤں کے حوالے سے بھی مجھے لگتا ہے کہ صحیح دُعا ماحول میں بیٹھ کر ہوتی ہے، آپ اندر سے active ہوتے ہیں، مثبت [positive] ہوتے ہیں۔ وہاں نیکی کے لئے قبولیت آرہی ہوتی ہے کہ کرنا ہے، نیت بھی اچھی ہو رہی ہوتی ہے لیکن جیسے ہی اس ماحول سے نکلتے ہیں تو نیا ماحول ہوتا ہے بالکل Opposite society ہوتی ہے۔ مجھے اپنا آپ جمانا بہت مشکل ہوتا ہے، پھر مجھے لگ رہا ہوتا ہے کہ یہ دُعائیں اثر نہیں رکھتیں، مجھے لگ رہا ہوتا ہے کہ یہ میں کیا مانگ رہی ہوں؟

استاذہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ تنہائی میں کم موقع ملتا ہے، تنہائی کے اوقات آپ نے کم رکھے

ہوں گے، اِس تنہائی میں آپ اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق کم جوڑتی ہوں گی۔ پھر مجلس میں یا لوگوں کے درمیان رہتے ہوئے مشکل ہوجاتی ہے تو یہ دُعائیں تنہائی کی ہیں۔ آپ کبھی صبح میں مانگ کر دیکھیں، آدھی رات میں یہ دعائیں دہرا کر دیکھیں، آپ کو سچا یقین ملے گا، وہیں سے ہی تو ایمان ملے گا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے بعض اوقات انسان ہر چیز ایک ماحول میں رہ کر کرنے کا عادی ہوجاتا ہے لیکن اِس کلاس کے دوران انشاء اللہ تعالیٰ جو چیز آپ اِس ماحول میں کریں گے دوسرے ماحول میں جا کر اس کی پریکٹس بھی کریں گے۔ ہم نے نضرۃ النعیم میں کچھ باتیں طے کی تھیں کہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ جو باتیں خود سیکھیں گے انہیں دوسروں تک پہنچائیں گے۔ جب آپ اپنا ایک مشن بنالیں گے کہ جو مجھ تک پہنچا، میں نے آگے پہنچانا ہے۔ کم از کم کتنا؟ تو آپ دیکھیں گے کہ ایک دم تبدیلی آجائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ پھر وہی باتیں آپ کی زبان پر رہیں گی۔ جب آپ وہی ماحول پیدا کرنا شروع کردیں گے تو ماحول Opposite نہیں رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

طالبہ: میں نے کوئی بھی کام کرنا ہو، جب یوں نیت کرتی ہوں کہ ضرور ہوجائے گا انشاء اللہ اور بس کر لینا ہے تو وہ کام ہو بھی جاتا ہے لیکن جب یہ سوچ لوں کہ یہ تو نہیں ہوگا تو وہ کام نہیں ہوتا۔

استاذہ: وہی نیت کی بات آجاتی ہے۔ بس آپ ایک بات ذہن میں رکھیے کہ اسلام کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی کام کو اپنے حوالے سے نہیں دیکھنا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے دیکھنا ہے، اُسی کے سپرد کرنا ہے۔ دیکھیں! یہ زبان بولتی ہے تو کیسے بولتی ہے؟ ہے تو یہ گوشت کا لوتھڑا لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے بولتی ہے۔ جس وقت اللہ تعالیٰ نے اِس پر پابندی لگادی پھر یہ نہیں بولے گی۔ آنکھ دیکھتی ہے تو کس کے دکھانے سے

دیکھتی ہے؟ ہمارا اس میں کیا دخل ہے؟ کل مجھے کسی نے بتایا کہ کسی خاتون کا ایکسیڈینٹ ہوا تھا تو اُس کی آنکھ میں کرچیاں لگ گئیں، اب اُس کی آنکھ نہیں ہے۔ واقعی انسان کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں، بھلا اُس کی چاہت ہو گی کہ میری آنکھ ضائع ہو جائے؟ ہمارے پورے وجود کی گواہی موجود ہے کہ پوری کی پوری آنکھ، یہ کان، یہ پورا سسٹم اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے چلانے سے چل رہی ہے تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ اختیار بھی آپ مجھے ہی دے دو، میرے حوالے کر دو تو آسانی رہے گی۔ سہولت ہے، انسان تکلیف، تلخی، نا اُمیدی، بے یقینی اور برے راستے پر لڑھکنے سے بچ جاتا ہے۔ لہٰذا زمین پہ رہتے ہوئے اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے حوالے کر کے دیکھنا ہے۔ اِس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان خود کرے گا نہیں، کرے گا تو وہ خود ہی لیکن کروانے والے نے کروانا ہے۔ اُس ذات نے کروانا ہے اور انسان پھر اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے کیا کرے گا؟ حسنِ نیت۔ اللہ تعالیٰ کو بھی معلوم ہے کہ مٹی کے ذرّے سے میں نے جو وجود بنایا، یہ کیا نیت کر بیٹھا؟ جو نیت انسان کر بیٹھتا ہے، جتنی وہ پختہ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اُس میں برکت دے دیتے ہیں، اسباب پیدا کر دیتے ہیں، انسان کوشش شروع کر دے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسباب پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔

اندر کی تبدیلی دو طرح سے آتی ہے: یا تو اندر فجور آئے گا یا اطمینان۔ ایک اور صورت بھی ہو جاتی ہے یعنی پچھتاوا، نیکی کے کام کو چھوڑنے کا پچھتاوا، برا کام کر لینے کا پچھتاوا، کبھی پچھتاوا ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔ یہ stages تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ لہٰذا اندر کی تبدیلی کے بارے میں چاہتے ہیں کہ مستقل رہے اور ایک ہی طرح کی رہے، یہ دل اللہ تعالیٰ کے آگے جھکا رہے، بچھا رہے تو ایک ہی راستہ ہے کہ اپنے معاملات

اللہ تعالیٰ کے حوالے کردیں۔اگر ایک انسان کی نظریں لگ جائیں ماں پہ، باپ پہ، شوہر پہ، بچوں پہ، گھر والوں پہ، اپنے حالات سے انسان نہیں نکل سکتا۔حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی پار لگاتی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بس ایک ہی کام کرلو، مجھ پر نظریں لگا دو، اپنا آپ میرے حوالے کردو۔خود کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنے میں کیا مشکلات پیش آتی ہے؟ کیسے حوالے نہیں کرتے؟

طالبہ: کرنا چاہتی ہوں لیکن پتہ نہیں کنڈی کہاں اڑ جاتی ہے؟

استاذہ: یہ دیکھنا بے حد ضروری ہوتا ہے کہ انسان مسائل [problem] میں کہاں سے پھنستا ہے؟

طالبہ: میں کبھی کبھار سوچتی ہوں کہ ایسی کون سی جگہ ہے جہاں کنڈی اٹکتی ہے۔ مجھے خود نہیں پتہ لگتا کہ میں اس کو نکال لوں اور مجھے خود بھی نہیں ملتی۔

استاذہ: آپ کا اصل مسئلہ یہی ہے کہ مجھے خود نہیں پتہ لگتا۔بس خود کی طرف نہیں دیکھنا، آپ نے تلاش جاری رکھنی ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے حوالے کردیں جہاں مرضی جا کے پھنسے۔آپ اللہ تعالیٰ سے کہہ دیں کہ یا اللہ! میں نے اپنے سارے معاملات، آپ کے حوالے کر دیئے، میرے سے میرا نفس نہیں سنبھالا جاتا، میں بھلا کہاں سے اپنا حساب کتاب کر دوں؟ بس آپ نے مجھے میرے نفس سے بچانا ہے۔اتنی سہولت، اتنا سکون، اتنا اطمینان ہو جائے گا۔اسلام سلامتی کا راستہ ہے۔اسلام کا روٹ دیکھیں (س ل م)۔آپ جس زاویے سے بھی دیکھ لیں اِس کا ایک مطلب سلامتی ہے اور ایک مطلب فرمانبرداری ہے۔اسلام مکمل اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔ بندہ بس ایک خطا کرتا ہے کہ اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے حوالے نہیں کرتا، اپنے حوالے سے اور اپنے اِردگرد والوں کے حوالے سے دیکھتا ہے۔

طالبہ: اللہ تعالیٰ کے حوالے تو کر دیا مگر جب معاملات کرنے ہیں تو پھر کوئی پتہ نہیں چلتا۔

استاذہ: پھر مسلسل دُعائیں کریں۔ دُعائیں ہی انسان کا سہارا ہے ناں! غفلت انسان کے لیے زہر سے بھی زیادہ بری چیز ہے۔

طالبہ: جب انسان یہ مان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ہے لیکن اگلے معاملات خراب ہو جاتے ہیں، پھر لگتا ہے جیسے سارے معاملات ہی اُلٹ جاتے ہیں۔ پھر جیسے کچھ پتہ نہیں چلتا، اندر شکوک وشبہات پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

استاذہ: تب آپ اصل کی طرف پھر لوٹ جائیں، وہیں سے سفر شروع کر دیں، پھر معاملات سیدھے ہونے شروع ہو جائیں گے اس لیے کہ بات تو ایک ہی ہے۔ جب آپ اللہ تعالیٰ پر نظریں لگائیں گے، معاملات اللہ تعالیٰ کے حوالے کریں گے، جہاں خطائیں ہوئی ہیں اپنا آپ کھول کر اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھ دیں کہ ہاں مجھ سے ایسا ایسا ہوا۔ ایک دفعہ انسان مان لیتا ہے، ساری غلطیوں اور خرابیوں کو share کر لیتا ہے تو اِردگرد والے بھی اِس کو deal کر لیتے ہیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ کا تاثر [impression] خراب ہو گیا۔ impression تو اللہ تعالیٰ کی نظروں میں ہی بننا چاہیے کیونکہ impression بنانے کے چکر میں انسان بہت کچھ دوسروں سے چھپاتا رہتا ہے، یوں وہ بہت سارے معاملات خراب کرتا رہتا ہے۔

طالبہ: بعض دفعہ کسی کام کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ سپرد کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے کر دینا ہے لیکن بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حوالے نہیں ہو سکتا۔

استاذہ: اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنے کو دل نہیں چاہتا۔

طالبہ: بہت زیادہ حیرت ہوتی ہے، سمجھ بھی نہیں آتی۔ پہلے بہت ساری دُعائیں بھی کی ہوتی

ہیں اس کام کے لیے پھر بھی لگتا ہے کہ بہت مشکل ہے۔

استاذہ: اپنے نفس کے شر سے اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ دعائیں مانگا کریں۔ یہ دُعا کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے:

اَللّٰھُمَّ رَحْمَتَکَ اَرْجُوْا

دوسری بات یہ کہ مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق، زندگی کا مقصد اور انجام پر نظر رکھنے کا معاملہ کمزور ہے۔ انجام پر نظر رکھنے کے سلسلے کو Strengthen کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ کام میں نے کرنا ہے، کس مقصد کے لیے کرنا ہے؟ ابھی پوری طرح سے تفکر نہیں ہے، تدبر نہیں ہے۔ اقبال کہتا ہے:

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے ؟
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اِک ٹوٹا ہوا تارا

مجھے یوں لگتا ہے جیسے انسان اپنے ماضی سے رشتہ اور مستقبل کا مقام یہ دو چیزیں بھولتا ہے، پھر حیران و پریشان رہتا ہے۔ ذہنی طور پر ایک صحرا میں ہوتا ہے تو یہ تعلق [link] جوڑنے کی بہت ضرورت ہے۔ clarity ہونا بہت ضروری ہے کہ ہمارا رشتہ کن لوگوں سے ہے اور ہم نے جانا کہاں ہے؟ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا (النساء:69) ''اور کیا ہی اچھے رفیق ہیں!'' والی بات ذہن میں رکھا کریں، اچھی رفاقت، اچھا ماحول دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی چاہیے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آسانی ہوگی۔

کبھی آپ نے یہ بات سوچی ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر اتنی مشکلیں، مصیبتیں، تکلیفیں کیوں آئیں؟ اور یہ کہ مصیبت، آزمائش اور تکلیف انسان کو کیا دیتی ہے؟ پختہ ایمان۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق بنتا ہی تجربے سے ہے۔ اسلام اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا ہے لیکن یہ حوالگی ایک بار نہیں بار بار کرنی پڑتی ہے بلکہ ہر موقع پر، ہر موڑ پر

حوالگی کا ثبوت دینا پڑتا ہے۔آپ یہاں سے حوالے کر کے نکلیں اور کہیں کہ ابھی تو میں نے حوالے کیا تھا،اب کیوں یہ صورتحال پیدا ہو گئی؟ایک بار پھر اَجر کی صورت پیدا ہو گئی۔پھر حوالے کریں،پھر اگلی صورتحال میں پھر حوالے کریں۔اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنے میں ہی تو سکون ہے۔

مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے آپ کسی کو observe کر رہے ہوں جیسے مثال کے طور پر ایک چھپکلی کو میں نے Observe کیا جس کی دم کہیں پھنس گئی تھی۔اس نے دم نکالنے کی بہت کوشش کی لیکن نہیں نکل سکی،زیادہ زور لگایا تو دم ہی کٹ گئی اور تکلیف کے مارے وہ تڑپتی رہی۔مجھے یوں لگتا ہے کہ جب انسان اپنے سارے معاملات اللہ تعالیٰ کے حوالے نہیں کرتا،جب اپنا کوئی معاملہ اپنے ساتھ پھنسا کر رکھتا ہے تو بہت تڑپتا ہے۔کبھی آپ نے دیکھا ہے چھوٹے کینچوؤں کو اور چھوٹے چھوٹے حشرات کو جیسے earth worms،ان کا کوئی ایک حصہ آپ دیں تو دونوں حصے تڑپتے رہتے ہیں۔وہ حصہ جو اس کے جسم کے زیادہ حصوں سے جڑا ہوتا ہے، زندہ رہتا ہے اور دوسرا مُردہ ہو جاتا ہے۔

انسان اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے نہیں کرتا تو مرغِ بسمل کی طرح ہو جاتا ہے۔ انتہائی تکلیف،انتہائی پریشانی،انتہائی ڈپریشن یہ جو آج کے دور کے مسائل ہیں بنیادی طور پر اپنی ذات کے حوالے کرنے کی وجہ سے ہیں کہ ایک انسان اپنے سارے معاملات اپنے حوالے سے دیکھے،اپنی ذات کو دیکھے کہ کیا میں کر سکتا ہوں؟ اپنی قوتِ بازو،اپنے حالات و واقعات کے حوالے سے دیکھے۔جب کوئی کام کرنا ہے تو اسے بادشاہِ کائنات کے حوالے سے دیکھیں۔اللہ تعالیٰ آپ کی سوچ کو کتنا وسیع کرنا چاہتا ہے کہ اسے میرے حوالے کر دیں۔

دنیا میں اگر آپ کو کوئی کہتا ہے کہ آپ یہ کام مجھے دے دیں میں کر لیتا ہوں۔ کیا آپ کو اچھا لگے گا؟ مثلاً آپ کچن میں برتن دھو رہے ہوں اور کوئی آپ سے یہ کہے کہ آپ چھوڑیں، میں دھو دوں۔ آپ کو کتنا اچھا لگے گا؟ آپ ضرور اس کے حوالے کر دیں گے۔ کپڑے استری کر رہے ہیں اور آپ سے کوئی اچانک کہتا ہے کہ چھوڑیں میں آپ کو یہ کپڑے استری کر دوں۔ آپ کہیں گے کہ نہیں نہیں میں نے خود کرنا ہے۔ ویسے بھی کچھ لوگوں کا رویہ ہوتا ہے جو کسی طور پر کسی دوسرے کی مدد قبول نہیں کرتے تو جس وقت ایک انسان اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتا ہے وہ تو سارے دُکھوں، ساری پریشانیوں، ساری تکلیفوں اور اذیتوں سے نکل جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی خاتون سے کوئی بری بات کہہ دیتا ہے، اب وہ گھنٹوں بیٹھ کر سوچتی ہے کہ مجھے یہ کیوں کہا؟ بعد میں اتنا روتی ہے، پھر اسے دوسروں سے discuss کرتی ہے کہ اس نے مجھے ایسا کہہ دیا۔ بات بڑھتی جاتی ہے، بدگمانی بڑھتی جاتی ہے، حتیٰ کہ اس کے اندر لاوا ابھڑ کنے لگتا ہے۔ پھر وہ دوسروں سے بھی share کرنا شروع کر دیتی ہے، بات پھر اس پہلی خاتون تک بھی پہنچ جاتی ہے یوں بات زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اپنے معاملے کو خود ہینڈل کرنا چاہا تھا کہ اس نے مجھے یہ کیوں کہا؟

ایک انسان مثبت رویہ کیسے اختیار کر سکتا ہے؟ وہ کہے کہ اس فرد نے جو کچھ بھی مجھے کہا ہے یا اللہ! تیرے حوالے ہے، تو تو ساری باتوں کو جانتا ہے، تو میرا بدلہ لے سکتا ہے۔ اب آپ دیکھیں کوئی کام ہی نہیں ہے، نہ سوچنا، نہ رونا دھونا، نہ تکلیف میں آنا، نہ دوسروں سے کہنا۔ خرابیاں، بیماریاں ساری ختم۔ جب یہ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میری حفاظت کر سکتی ہے اور وہی ذات مجھے عزت دلا سکتی ہے اور دوسروں سے بدلہ لے سکتی ہے۔ پھر خود کیوں بیٹھ کے سوچتے ہیں؟ پھر اپنے اوپر تکیہ کیوں

کرتے ہیں؟ خود پر بھروسہ کیوں کرتے ہیں؟ یہ شیطان ہے اور نفس ہے۔ایک شیطان باہر ہے اور ایک اندر۔جب وہ ایک انسان کو اپنی ذات کی فکر میں مبتلا کرتا ہے تو بڑی ذات کا ذکر چھڑوا دیتا ہے، اسے الگ کر دیتا ہے، رشتہ کاٹ دیتا ہے۔ جہاں پر انسان اپنے آپ کو اپنی ذات کے سپرد کرتا ہے وہاں رب سے رشتہ کاٹ لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں کیا کہا؟

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ (البقرۃ:27)

''وہ اس رشتے کو کاٹ ڈالتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا''۔

یہ رشتہ ہی تو ہے۔اسلام بندے اور رب کے درمیان کا ایک رشتہ ہے۔بندہ کیا کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی بجائے خود پر بھروسہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنے کے بجائے اپنے حوالے کرتا ہے، گھر والوں کے حوالے کرتا ہے، سوسائٹی کے حوالے کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ بھی اس کا کوئی کام سنورنے نہیں دیتا۔اللہ تعالیٰ نے کتنا واشگاف یہ بات کہی ہے:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا (طٰہٰ:124)

''اور جو میرے ذکر (درسِ نصیحت) سے منہ موڑے گا اس کے لئے دنیا میں تنگ زندگی ہوگی''۔

تنگی کا وعدہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہ آپ اپنا معاملہ اپنے ہاتھ میں لے کر تو دیکھو، میری یاد کو، میری ذات کے تعلق کو بھول کر تو دیکھو، میں تم پر دنیا کی زندگی تنگ کر دوں گا اور بات صرف یہاں تک نہیں ہے۔

وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى (طٰہٰ:124)

''ہم اسے قیامت کے دن اندھا اُٹھائیں گے''۔

کتنی بڑی بات ہے! جو دنیا کی زندگی میں اندھا بن گیا، جس کو رب کا تعلق نہیں دِکھائی دیا، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اندھا اُٹھائے گا۔ اس وقت ایک انسان اپنے رب سے کہے گا:

رَبِّ لِمَا حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا (طٰہٰ:125)

''اے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جبکہ دنیا میں میں دیکھنے والا تھا''۔

اس وقت اللہ تعالیٰ کہیں گے:

قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى (طٰہٰ:126)

''اسی طرح ہماری آیات تمہارے پاس آئی تھیں تم نے اُنہیں بھلا دیا تھا''۔

یہ آیات ہی تو ہیں:

اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً (البقرہ:208)

''اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ''۔

انسان بھول جاتا ہے کہ میں نے اپنے سارے معاملات اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنے ہیں، میں نے ہر موڑ پر اللہ تعالیٰ کے آگے جھک کر رہنا ہے، اللہ تعالیٰ کو اپنے معاملات سونپنے ہیں۔ یہ بات یاد رکھئے گا! انسان تبدیل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اندرونی معاملات اللہ تعالیٰ کے حوالے نہیں کر دیتا۔ اسلام میں ظاہری معاملات کی اہمیت ہے لیکن اندر کے معاملے کے بغیر نہیں۔ اللہ کے رسول a نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (بخاری:1)

''عمل کا دارومدار نیت پر ہے''۔

کیا کوئی فرد کسی کی نیت دیکھ سکتا ہے؟ کوئی بھی نہیں۔ نیت تو دل کی بات، دل کا

معاملہ ہے۔نیت کے ساتھ عمل کا جو تعلق ہے اس کا مطلب کیا ہے؟ کہ اندر اب حسین ہو گیا۔ حسنِ نیت، بھلائیوں کا ارادہ۔

اسلام کے بعد اگلی چیز آتی ہے ایمان کی۔ ایمان کیا ہے؟ فطرت۔ انسان کی اصل فطرت کی جو حالت ہے اس کو ایمان کہتے ہیں۔

یہ امن والی حالت ہے۔

سکون والی حالت ہے۔

اطمینان والی حالت ہے۔

یقین کی حالت ہے۔

ایمان انسان کے اندر کہاں سے آتا ہے؟ فکر سے، عقیدے سے، اجتماعیت سے۔ اجتماعیت کے بغیر ایمان کا کوئی سلسلہ ممکن ہی نہیں ہے۔ ہمارے ہاں جو تصور ہے کہ گھر بیٹھو، نمازیں پڑھو، روزے رکھ لو، دعائیں، اذکار کر لو، قربانیاں کر لو۔ گھر بیٹھے مومن نہیں بنا جا سکتا۔ ایمان کا تعلق تو اجتماعیت سے ہے۔ آپ اسے کسی رسول کی زندگی میں دیکھ لیں، جس کسی کو ایمان ملا رسول کے ساتھ جڑنے سے ملا۔ آج بھی اسی کو ایمان ملے گا جو رسول کے مشن کے ساتھ جڑ جائے گا، آج بھی اسی کو ایمان ملے گا جو رسول کے مشن کو آگے بڑھانے کی کوشش کرے گا اور ایمان انسان کو اپنے اندر کی تبدیلی سے ملتا ہے اور بنیادی طور پر کس لیے ملتا ہے؟ کہ انسان اپنی مادی زندگی کو بدل ڈالے۔ یعنی اردگرد کی زندگی میں وہ جو کچھ طے کر رہا ہے اس کا ایمان وہاں اس کے کام آئے۔

آپ بلب کو دیکھیں، روشن نظر آتا ہے؟ lights جلتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ آپ بتا سکتے ہیں کہ بجلی کا کون سا رنگ ہے؟ بجلی کہاں ہے؟ آپ بجلی کی شکل بنانا چاہیں بنا سکتے

ہیں؟ لائٹ کیا ہے؟ قوت [energy]۔ آپ لائٹ کے concept کو دیکھیں، تربیلا سے لے کر آپ کے گھر تک چھوٹے چھوٹے الیکٹرانز [electrons]، ایک کے ساتھ ایک، اجتماعیت کی صورت پہنچ گے۔ اب ان میں سے کوئی الیکٹران [electron] بظاہر نظر نہیں آ رہا لیکن روشنی نظر آ رہی ہے۔ یہی حالت ایمان کی ہے۔ ایک انسان کے اندر اگر اللہ تعالیٰ کے تعلق کا دیا روشن ہوتا ہے تو دل روشن ہوتا ہے، اس کی مادی زندگی میں اس کے ظاہری اعمال میں تبدیلی آنی شروع ہو جاتی ہے۔ جب اندر اور باہر کی دنیا ایک ہو جاتی ہے تو یہ فطرت ہے۔ انسان کو اس فطرت پر لانا مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (الروم:30)

''اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کیا''۔ (فطرتِ سلیمہ پر)

یقین، اطمینان اور ایمان کی حالت فطری حالت ہے۔ ہم نے احسان کو دیکھا تھا۔ احسان کے حوالے سے دو چیزیں ہم نے دیکھی تھیں کہ ایمان اُمید اور خوف کے بین بین ہے۔ اُمید کیا ہے؟ رب پر نظریں لگا دینا جیسے بچہ اپنی ماں سے یا اپنے باپ سے اُمیدیں رکھتا ہے تو اس کی نظریں ہر موڑ پر ماں باپ کی طرف لگی رہتی ہیں اور جیسے انسان کسی بڑے سے خوف کھاتا ہے تو نظر اٹھا نہیں سکتا، نظر جھکا لیتا ہے لیکن اس کی نظروں کو دیکھ کر خوف کھاتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے یہی بات بتائی تھی کہ:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ (مسلم:97)

''تم اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے کرو گویا تم اسے دیکھتے ہو''۔

یعنی نظریں لگا دو رب پر اور

فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ (مسلم:97)

''اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو وہ تو تمہیں دیکھتا ہے''۔

کسی کی نظروں کو محسوس کریں تو خوف رہتا ہے اور کسی پر نظریں لگا دیں تو اُمید پیدا ہو جاتی ہے۔ ہر معاملے میں رب یہ چاہتا ہے کہ مومن احسان کی روش اختیار کرے۔ ایک انسان اپنے ایمان کو احسان والا ایمان کیسے بنا سکتا ہے؟ کوئی بھی کام کرتے ہوئے رب سے اُمید کا رشتہ قائم رکھے اور رب سے خوف محسوس کرے، یہی احسان کی روش ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (البقرہ:195)

''یقیناً اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔

جب ہم بات کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے تو عام طور پر یہ بات ذہن میں ہوتی ہے کہ اس احسان کا میری ذات اور میرے کس عمل سے تعلق ہے؟ یعنی کوئی بھی کام کرتے ہوئے میری ذہنی کیفیت کیا ہو؟ میری قلبی کیفیت کیا ہو؟ احسان کی روش اختیار کرنی ہے تو رب پر نظریں لگانی ہیں انشاء اللہ تعالیٰ اور احسان کی روش اختیار کرنی ہے تو رب کا خوف محسوس کرنا ہے، اُمید اور خوف کے بین بین رہنا ہے۔

پھر اگلی بات ہم نے دیکھی تھی عبادت کے حوالے سے تو عبادت تین طرح سے ہوتی ہے:

1۔ قلب سے۔

2۔ اعضاء سے۔

3۔ زبان سے۔

عام طور پر عبادات جیسے نماز کو کس کا عمل سمجھا جاتا ہے؟ زبان کا۔ جب آپ کسی سے

سوال کرتے ہیں آپ نے نماز پڑھ لی؟ یعنی آپ نے زبان سے فلاں فلاں الفاظ استعمال کر لیے؟ دوسرا فرد کہتا ہے: ہاں پڑھ لی۔ نماز صرف زبان کا کام نہیں ہے بلکہ اعضاء کا کام بھی ہے۔ مخصوص حرکات کیے بغیر نماز پوری نہیں ہو سکتی لیکن دل کی حاضری، دل کی حضوری کی طرف نظر نہیں جاتی حالانکہ کرنے کا اصل کام یہی ہے۔ زندگی کو آپ نے صلوٰۃ سے ہی سیکھنا ہے۔ اگر آپ نماز میں اللہ تعالیٰ کی طرف نظریں لگانا اور اُس کے خوف کو محسوس کرنا سیکھ جاتے ہیں تو سمجھ لیں کہ ہر موڑ پر یہ کام انجام دینا سیکھ گئے، پھر آپ اس قوت کا مثبت استعمال کر سکتے ہیں۔ رب نے بھی یہی بات کہی ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡھٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ (العنکبوت:45)

''یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے''۔

نماز ایسے ہی تو روکتی ہے رب کی طرف نظریں لگوا کے اور رب کا خوف محسوس کروا کے۔ اسی طرح قلب کا اگلا معاملہ دیکھیں گے۔ بات قلب کی ہو، اعضاء کے عمل کی ہو یا زبان کی ہو، ہر ایک کے تین طرح کے کام ہیں۔ مثال کے طور پر دل کا کام کیا ہے؟ دل کا ایک تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے، ایک اپنی ذات کے ساتھ اور ایک دوسرے انسانوں کے ساتھ۔ ایسا نہیں ہوتا کہ ایک ہی وقت میں ہم اللہ تعالیٰ سے بھی بات کر رہے ہوں، دوسروں سے بھی تعلق ہو اور اندر اندر ہمارے اپنے بھی احساسات ہوں۔ اصلاح کے میدان میں خُلق سے پہلے یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کے دل کا تعلق کیسے جڑتا ہے؟ اسی طرح دوسرے انسانوں کے ساتھ اور اپنی ذات کے ساتھ یہ تعلق کیسے درست ہو سکتا ہے؟ ابھی آپ نے کہا کہ اندر ہی اندر جانے کیا محسوس ہوتا ہے؟ اس کا مطلب ہے کہ اندر اسلام حوالگی کا مطالبہ کرتا ہے

اور آپ سے اپنا آپ اللہ تعالیٰ کے حوالے نہیں کیا جاتا، اس کے لئے اصلاح چاہیے۔ ہم ان اعمال کو دیکھیں گے کہ قلب کا معاملہ کس کے ساتھ ہے؟

⇐ مع اللہ ⇐ مع الغیر ⇐ مع النفس

یہ عمل الجوارح یعنی انسانی اعضاء کا کام ہے۔ اعضاء کا تعلق تین چیزوں سے ہے:

مع اللہ: اللہ تعالیٰ کے ساتھ

مع الغیر : دوسروں کے ساتھ

مع النفس: اپنے نفس کے ساتھ

اسی طرح سے عمل اللّسان ہے: نفسِ انسانی کے حوالے سے اگر دیکھیں تو تین مدارج [stages] ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی بات سامنے رکھنا چاہوں گی۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ج اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ م بِالسُّوْٓءِ (یوسف:53)

''میں اپنے نفس کی کچھ برأت پیش نہیں کرتا یقیناً نفس تو برائی پر آمادہ کرتا ہی ہے''۔

یہ نفس کیا ہے؟ روح کیا ہوتی ہے؟ قلب کیا ہے؟ شعور کیا ہے؟ ذہن کیا ہے؟ امام غزالی رحمہ اللہ نے الگ الگ ان اصطلاحات [terminologies] کی وضاحت کی ہے۔ ہم اس وقت دیکھیں گے کہ:

[1] نفسِ امارہ کی اسٹیج پہ نفس کیا کام کرتا ہے؟

[2] نفسِ لوامہ کی اسٹیج پر نفس کیا کام کرتا ہے؟

[3] نفسِ مطمئنہ کی اسٹیج پر نفس کیا کام کرتا ہے؟

ایک چیز پر غور کیجیے گا کہ ربّ العزت فرماتے ہیں:

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ (سورہ

(القیامہ:14,15)

''بلکہ انسان اپنے نفس کو خوب اچھی طرح دیکھتا ہے اگرچہ وہ کتنی ہی معذرتیں پیش کرے''۔

اس سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ انسان نفس کی برأت کے لیے، اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لیے عذر پیش کرتا ہے۔ نفس کے حوالے سے ربُّ العزت نے فرمایا:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا (الشمس:7)

''اور نفسِ انسانی کی قسم! اور جس نے اس کو درست کیا۔''

پھر اس نفس کا تعلق کس سے ہے؟۔ ربّ کی ذات کے ساتھ۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (الشمس:8)

''اور پھر جس نے اس کی بھلائی اور برائی، اس کا تقویٰ اور فجور اسے الہام کر دیا۔''

انسان کے اندر دونوں قوتیں ہیں: خوف اور بے خوفی۔ انسان ابتلاء میں ہے، امتحان میں ہے۔ چاہے تو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر تقویٰ والی زندگی گزار لے اور چاہے تو فجور اور بے خوفی والی زندگی گزار لے لیکن ربُّ العزت نے یہ بتا دیا:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس:9)"

''کامیاب ہو گیا وہ جس نے اس کو پاک کر لیا''۔

جس نے اپنے نفس کو پاک کیا، کس چیز سے؟۔ فجور سے۔ جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا وہ دراصل کامیاب ہے اور انسان پاک کس چیز سے ہوتا ہے؟ تقویٰ کو اپنانے سے۔

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (الشمس:10)

''اور نامراد ہوگیا وہ جس نے اس کو دبا دیا''۔

نفس کے اندر سے ہر وقت کچھ نہ کچھ اُٹھتا ہے۔ وسوسہ، شک، شبہہ، یا نیکی کی خواہش، نیکی کی حرص۔ ایسی بات نہیں کہ ہر نفس سے ہمیشہ شکوک وشبہات ہی ابھرتے ہیں بلکہ نیکی بھی ابھرتی ہے۔ جس نے اپنے نفس کی کوئی پرواہ نہیں کی، جس نے اس کی صفائی ستھرائی نہ کی، وہ نامراد ہوگیا۔ کامیابی یا ناکامی کا انحصار پھر کس چیز پر ہے؟ کامیابی اس کے لیے ہے جو تزکیہ کی کوشش کرے اور یہ کوشش مکارمِ اخلاق کو پڑھنا، سمجھنا، اس کے مطابق زندگی کو تبدیل کرنا ہے۔ تبدیلی کی خواہش تو ہو لیکن ایک انسان مادی خواہشات سے اوپر نہ اُٹھ پائے، کوئی قربانی دینے کے لیے تیار نہ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ اس نے اچھی خواہش کو بھی دبا دیا۔ ایک انسان نے اپنے اندر سے اٹھنے والے نیکی کے جذبے کو بھی دبا دیا۔ دبانا دو طرح سے ہوتا ہے:

1۔ اچھائی کو دبانا

2۔ برائی کو دبانا۔

برائی دبانے کے لیے نہیں ہوتی کہ اندر موجود رہے بلکہ برائی اندر سے کھود کے نکال باہر کرنے کی چیز ہے۔ اس کو دبانا نہیں ہے بلکہ اندر سے اسے جڑوں سے نکالنا ہے کیونکہ اگر وہ موجود رہی تو اس کی شاخیں پھر باہر نکلنا شروع ہوجائیں گی۔ جیسے خودرو پودوں کی جڑیں جب اندر رہ جاتی ہیں تو وہ کبھی بھی پھوٹ نکلتی ہیں۔ اندر نہیں رہنے دینا، اندر دبانا نہیں، باہر نکالنا ہے۔

نفس کی ایک کیفیت ہم نے دیکھی نفسِ امّارہ۔ یہ سرکش نفس ہے، ایسا نفس ہے جو انسان کو برائی پر آمادہ کرتا ہے۔ نفس کی دوسری قسم نفسِ لوّامہ ہے۔ یہ ملامت گر نفس ہے جو برائی کر بیٹھتا ہے، پھر اس پر پچھتاتا بہت ہے۔ دو چیزوں کو ربّ نے اکٹھا کیا۔

آپ ربط قائم کر کے دیکھیں دل کانپ اٹھے گا:

لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (القیامۃ:1,2)

''نہیں میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور میں قسم کھاتا ہوں ملامت گر نفس کی۔''

قیامت اور ملامت گر نفس کا کیا تعلق ہے؟ یہ قیامت کا خوف ہی تو ہے جس کی وجہ سے نفس برائی پر ملامت کرتا ہے کہ ایسا کیوں کرلیا؟ یہ نفس کی درمیانی stage ہے۔ ایک انسان کا نفس جب سرکش ہوتا ہے تو سرکشی سے ملامت تک خود بخود انسان نہیں پہنچتا بلکہ کوشش اور بار بار کی ملامت انسان کو آہستہ آہستہ فیصلہ کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ انسان ان پچھتاوں سے، ان حسرتوں سے نکل آئے اور ابتداء میں ہی نیکی کا کام کر کے اپنے آپ کو اطمینان والی حالت میں لے آئے۔ نفسِ مطمئنہ کے بارے میں ربُ العزت فرماتے ہیں:

یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۙ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً

(الفجر:47,48)

''اے اطمینان والی جان! لوٹ چلو اپنے رب کی طرف۔ وہ تجھ سے راضی اور آپ اس سے راضی''۔

ارجعی الیٰ ربکِ کو دیکھئے گا 'لوٹ چلو اپنے رب کی طرف' تو کیا محض یہ موت کے وقت لوٹنا ہے یا زندگی بھر کا لوٹنا ہے؟ یہ تو ہر موڑ پر لوٹنا ہے۔

ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ (الفجر:28)

''اپنے رب کی طرف لوٹ جاؤ''۔

کہاں کہاں لوٹنا ہے؟ یہ آپ بتائیں گے؟ کب کب؟

طالبہ: برائی سے بھلائی کی طرف۔

استاذہ: موقع کون سا ہوگا؟

طالبہ: اگر میں نے جھوٹ بول لیا ہے تو سچ بول کے۔

طالبہ: جب نفس ملامت کرتا ہے تب انسان کے پاس دو راستے ہوتے ہیں: یا تو وہ بالکل بھٹک جائے یا پھر توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف آجائے تو اس موقع پہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہوگا۔

طالبہ: جب کسی کے ساتھ زیادتی کر لیتے ہیں، پھر اس سے معافی مانگ لیں تو لوٹ جاتے ہیں کہ غلطی کو مان لیا ہے۔

استاذہ: ہر موقع پر جہاں بھی انسان خرابی کرتا ہے تو اپنے رب کی طرف لوٹے اور کوئی کام شروع کرنے سے پہلے بھی ایک انسان اگر ربّ پر نظریں لگاتا ہے تو یہ ربّ کی طرف لوٹنا ہے، یہ رجوع الیٰ اللہ ہے اور ایک انسان ربّ کا خوف محسوس کرتا ہے تو غلطی سے بچتا ہے۔ یہ رجوع الیٰ اللہ ہے۔ اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ باندھ کے رکھنا، اللہ تعالیٰ کی نظروں سے خود کو دیکھنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے معاملات کا لوٹا دینا۔ یہ رجوع الیٰ اللہ ہے۔

طالبہ: کیا نفسِ مطمئنۃ کا مطلب یہ ہے کہ جہاں آپ کا نفس مطمئن ہو جائے، جہاں انسان تکلیف محسوس نہ کرے۔ انسان توبہ کرتا ہے لیکن توبہ کرنے کے بعد بھی وہ تکلیف میں تو ہوتا ہے کہ مجھ سے یہ غلط کام ہوگیا۔

استاذہ: اصل میں نفسِ مطمئنۃ کا کام یہ ہے کہ ایک انسان رب کی رضا پہ راضی ہوگیا، اس نے مان لیا۔ توبہ کا رویہ اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک انسان نے غلطی کو مان لیا۔

یہ اطمینان والا معاملہ ہے کہ اس نے تسلیم کرلیا کہ توبہ ہی میرے لیے صحیح راستہ ہے۔ باقی جو تکلیف ہے، اس غلطی پر پچھتاوا ہے، آئندہ نہ کرنے کا عہد ہے، وہ تو اصلاح کا ایک process ہے۔ مثال کے طور پر آپ یوں سمجھیں کہ کسی مریض کا آپریشن ہوتا ہے اور آپریشن کے دوران کسی کے اندر سے کوئی ٹیومر (tumer) نکال دیا تو اب healing process کو بے اطمینانی والی کیفیت نہیں کہہ سکتے۔ وہ تو صحت کی طرف جانے والا ایک عمل ہے۔ سو healing پہ آپ گھبرائیں نہیں، healing تو ہوگی لیکن بات یہ ہے کہ آیا اس پر اطمینان تھا کہ آپریشن ہو جانا چاہیے اور یہ جو اندر کی گندگی ہے وہ نکل جانی چاہیے؟ اطمینان اگر اس پر ہے تو یہ اطمینان والے نفس کا کام ہے۔ اچھا سوال ہے۔ آپ اس آیت کو دیکھیں:

رَاضِيَةً مَّرۡضِيَّةً (الفجر:28)

"آپ اس سے راضی وہ آپ سے راضی"۔

دوطرفہ معاملہ ہے۔ پہلے کون راضی ہوا؟ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا پر مطمئن ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے کام پر جب اطمینان حاصل کر لیتا ہے تو یہ نفسِ مطمئنہ کی کیفیت ہے۔ اس میں تلخیاں، پچھتاوے بھی ہوں گے اور اس میں رجوع الی اللہ کی کیفیت بھی آئے گی۔ اس میں جو آپ کے آنسو ہیں، جو آپ کی حسرتیں ہیں، دنیا کی زندگی میں اس کام کو کرنے کے لیے جو آپ کے اندر تڑپ ہے، طلب ہے وہ ساری کیفیات نہیں نکلیں گی۔

کئی لوگ مجھ سے سوال کرتے ہیں کہ ہم پہلے تو ٹھیک ٹھاک تھے۔ جب سے ہم نے سچا اسلام قبول کیا اس کے بعد سے ہمارے اندر آگ ہی لگ گئی ہے۔ ایک پریشانی ہے، مختلف نوعیت کا ایک غم ہے، دور ہی نہیں ہوتا، پہلے تو ہمیں احساس ہی نہیں ہوتا

تھا۔ پہلے والی کیفیت اطمینان والی کیفیت نہیں تھی؟ اس کو اطمینان نہیں کہتے بلکہ غفلت کہتے ہیں۔ کہتے ہیں ناں! سویا اور مویا برابر ہے۔ یہ تو موت والی کیفیت ہے، جمود والی، ایمان ہے ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ (الفجر:29)

''میرے بندوں میں داخل ہو جاؤ''۔

اس کا کیا مطلب ہے؟ رجوع الی اللہ کے لیے کیا حکم ہے؟ میرے بندوں میں داخل ہو جاؤ۔ کہاں داخل ہو جائیں؟ دنیا میں؟ فرمایا: ''میرے نیک بندوں میں شامل ہو جاؤ''۔ ان کے ساتھ مل کر تزکیے کے عمل کو جاری رکھو۔ تزکیہ کس چیز کا؟ اپنے نفس کا تزکیہ، پورے عمل کا تزکیہ اور پھر اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے؟ اس process کے تحت کیا ہوگا؟ اب جنت میں داخل ہو جاؤ، اب میرے بندوں میں داخل ہو جاؤ۔ اس کا مطلب ہے ایمان والے بندوں میں داخل ہو جاؤ۔

اطمینان والی جان، نفسِ مطمئنہ کی اسٹیج پر پہنچنا ہے تو کیا کیا کام کرنے ہیں؟ اور نفسِ اَمّارہ کی اسٹیج پر کیا ہوتا ہے؟ اور نفسِ لوّامہ کی اسٹیج پر؟ یہ سمجھنے کی ضرورت ہے۔ نفسِ اَمّارہ کو دیکھتے ہیں: نفسِ اَمّارہ ہر قسم کی برائیوں، شک، شبہات کا مرکز ہے۔ ایک انسانی نفس جہاں پر برائیاں پناہ لیتی ہیں، ایک ایسا نفس جس کے اندر شک پیدا ہوتے ہیں، جس کے اندر وسوسے آتے ہیں، ایک ایسا نفس ہے کہ جس کے اندر تمام برے اَخلاق پیدا ہو سکتے ہیں۔ جیسے آپ دیکھتے ہیں کہ موبائل پر [aids] کے حوالے سے Messages بھیجے جا رہے ہیں۔ کل ایڈز کے حوالے سے ایک messege پھیلا ہوا تھا۔ آپ مجھے یہ messege پڑھ کر سنائیں گے؟ اس سے آپ بہتر طور پر یہ معاملہ سمجھ سکیں گے۔ مجھے ایڈز سے نفسِ امارہ کی کہانی بہت سمجھ آتی ہے اس لیے

اس کو ضرور سمجھنا چاہیے۔ایک چیز کے بارے میں Real understanding ہو گی تو اس سے انشاء اللہ تعالیٰ اپنی کیفیات کو کنٹرول کرنا اور نفسِ امارہ سے اپنے آپ کو بلند اسٹیج پہ لے جانا آسان ہو جائے گا۔

طالب: HIV کے جراثیم کی وجہ سے بچاؤ کے نظام کے تباہ ہونے اور انسان کے ایک ہی وقت میں بہت سی برائیوں کا شکار ہونے کی ہلاکت کو ایڈز کہتے ہیں۔

استاذہ: کس چیز کے بچاؤ کا نظام تباہ ہونے سے؟ یعنی بیماریوں سے بچاؤ کا نظام۔جیسے مادی طور پر انسان کو بیماریاں لاحق ہوتی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے مدافعتی نظام بنایا ہے، defensive سسٹم ہے جس کی وجہ سے انسان کو ہر بیماری نہیں لگ سکتی لیکن جو ایڈز کا مریض ہے اس کا بچاؤ کا نظام خراب ہو جاتا ہے۔ہر بیماری اسے لگ سکتی ہے۔فرض کریں اگر کسی کو نزلہ ہوا ہے تو ایڈز کے مریض کو بھی نزلہ ہو جائے گا، کسی کو کھانسی ہے تو اُسے بھی کھانسی ہو جائے گی، کسی کو کوئی تکلیف ہے وہ تو بیچارہ کہیں پھر ہی نہیں سکتا۔اس لیے کہ اس کو تو ہر قسم کی بیماریاں گھیرے میں لے لیتی ہیں۔ایڈز کا مریض ایسا ہے جس میں ہر قسم کی بیماریاں پناہ لیتی ہیں۔

اسی طرح سے نفسِ امارہ کی اسٹیج پر جو انسان ہے اس میں بھی ہر برائی پناہ لیتی ہے، ہر قسم کا شر پناہ لیتا ہے، ہر قسم کا برا اخلاق وہاں پر پناہ لیتا ہے، وہاں پر اسے پنپنے کا موقع ملتا ہے۔سرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے سامنے سر اُٹھانے کی وجہ سے ہر قسم کی بیماریاں اُس کو لاحق ہو سکتی ہیں جو ایڈز کا مریض ہو اور جو انسان سرکش نفس رکھتا ہے اُسے ہر اخلاقی بیماری لگ سکتی ہے۔وہ جھوٹ بول سکتا ہے، بے حیا ہو سکتا ہے، Dishonesty کا شکار ہو سکتا ہے، وعدہ خلافی کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔وعدہ خلافی وہ کسی بھی وقت کر سکتا ہے۔اسے محسوس ہی نہیں ہوتا کہ اس نے وعدہ توڑ دیا۔وہ

چوری کرسکتا ہے،ڈاکہ ڈال سکتا ہے، ہر برائی کا شکار ہوسکتا ہے، گناہِ کبیرہ کرسکتا ہے۔کسی بھی نوعیت کا ہر برا خُلق اس کے اندر جمع ہوسکتا ہے۔نفسِ امّارہ کے بارے میں کیا پتہ چلا؟ ہر شر کا منبع ومرکز ہے۔نفسِ امّارہ برائی کا مرکز [centre of evil] ہے یعنی جس کا نفس سرکش ہے۔

یہ نفس کس چیز کا حکم دیتا ہے؟ لذّت کا۔یعنی انسان کو آرام طلبی کا مشورہ دیتا ہے، لذّتوں کی طرف راغب کرتا ہے۔پھر دنیا کی خواہشات کی طرف راغب کرتا ہے۔

یہ نفس ہر قسم کے برے اَخلاق کا منبع ومرکز ہے۔اس نفس کے بارے میں سادہ سی بات یہ ہے کہ جس انسان کا نفس امّارہ ہوتا ہے بس یوں سمجھیں وسوسوں کا generator لگا ہوا ہے جو مسلسل انسان کو وسوسوں میں مبتلا کررہا ہے اور انسان وسوسوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔اس کا شعور بے کار ہوجاتا ہے۔اس کی عقل مختل ہوجاتی ہے۔اس کو کوئی علم فائدہ نہیں دیتا جب تک کہ اس کے نفس کا علاج نہ ہوجائے۔نفس کا علاج بہت ضروری ہے ورنہ باہر سے جتنی بھی کوششیں کی جائیں جب تک اندر نہیں بدلتا اس وقت تک بیرونی کوششیں وقتی مرہم پٹی کے سوا کوئی کام نہیں دیتیں۔

مثال کے طور پر کسی کو خارش کا مرض لاحق ہے اور اس کو پورے جسم پر پھوڑے نکلے ہوئے ہیں۔اب فسادِ خون کا علاج کرنے کی بجائے اوپر سے ٹیوبز لگائی جارہی ہیں۔ایسے وقت پر وہ ساری پھنسیاں، پھوڑے، وہ سب پیپ ختم ہوجاتی ہے۔ آپ کہتے ہیں بڑی اچھی کریم تھی۔کریم لگانا چھوڑی اور خارش پھر ہوگئی، پھوڑے پھر نکل آئے۔کیوں؟ علاج نہیں ہوا فسادِ خون کا کیونکہ اصل میں اندر خرابی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو کیوں بھیجا تھا؟ اگرچہ نبی کی ذمہ داری تھی تلاوتِ آیات، تعلیمِ کتاب اور تعلیمِ حکمت کی لیکن تزکیۂ نفس کی بھی ذمہ داری تھی کہ سب کے نفوس

کو پاک کرے۔ یہ جو بیماریاں چمٹ گئی ہیں، دل جو بیمار ہو گئے، اس بیمار دل کا علاج کروالیں۔ آپ دیکھیں جن لوگوں کو ہارٹ اٹیک ہوتا ہے یا کوئی ہارٹ Disease ہو جاتی ہے، زندگی کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے ناں! پھر کیا ہوتا ہے؟ اس کے لیے پہلے علاج کروایا جاتا ہے، پھر کبھی کبھار ڈاکٹرز کہہ دیتے ہیں کہ بائی پاس ہو گا اس کے بغیر اب کوئی گزارا نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جیسے جسم بیمار ہوتا ہے ایسے ہی انسان کا نفس بھی بیمار ہوتا ہے اور اس کو بھی علاج کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ علاج تبھی ممکن ہے جب بیمار شخص اپنی بیماری کو خود محسوس کرے۔ اسے اپنی بیماری کا اعتراف ہو۔ جو اعتراف نہیں کرتا اس کا علاج بھی ہونا ممکن نہیں ہوتا۔

پھر آپ یہ دیکھیں کہ ایک انسان کا نفس بیمار ہے، مسلسل وہ مصروفِ عمل ہے۔ اندر سے اتنے پیغامات ملتے ہیں کہ انسان نیکی کا کوئی کام کر ہی نہیں پاتا۔ سورۃ ق میں ربُّ العزت فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ج صلے وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ق:16)

”ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اس کا نفس کیا کیا وسوسے اس کے اندر ڈالتا ہے“۔

تو یہ وسوسے انسانوں کی طرف سے بھی ہوتے ہیں اور شیاطین کی طرف سے بھی۔ نفسِ امارہ کا پتہ چلا کہ امارہ کیا ہوتا ہے؟ (ا م ر) سے ہے۔ ہر وقت حکم دیتا ہے۔ حکم کا مرکز کیا ہے؟ شر۔ برائی کا حکم۔ ہر وقت۔ وسوسے، وسوسے، وسوسے شبہ، شک، بیمار نفس۔ ایک ہی کام کرتا چلا جاتا ہے۔ کسی کو معلوم ہے bone marrow کے جو مریض ہوتے ہیں ان کا کیا معاملہ ہوتا ہے؟ white blood cells بڑھ جاتے

ہیں ان کی بڑھی ہوئی Ratio انسان کو خطرے کے مقام تک پہنچا دیتی ہے اور بالآخر جان لیوا ثابت ہوتی ہے۔ مجھے کبھی کبھی لگتا ہے کہ یہ وسوسے بھی اسی طرح انسان کے اندر اتنے بڑھ جاتے ہیں کہ پھر انسان کے اندر ایمان کی رمق بھی باقی نہیں رہنے دیتے۔ جیسے ظاہری طور پر تو یہ وسوسے اور شبہے اس شخص کے بارے میں ہوتے ہیں جو حق کی دعوت دیتا ہے یا خود حق پر عمل پیرا ہے لیکن دراصل جانتے ہیں کہ شبہہ کس پہ ہوتا ہے؟ شک کس پہ ہوتا ہے؟ جس کے بارے میں انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم پر لیکن انسانوں کے خوف کی وجہ سے ایسا ممکن نہیں ہوتا کہ وہ براہِ راست یہ کہہ سکے کہ ہاں مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات یا اللہ تعالیٰ کے احکامات پر شبہہ ہو گیا ہے۔ اس لیے وہ اپنا سارا غصہ اس پر نکالتا ہے جو حق پر عمل پیرا ہوتا ہے، جو حق بات کہتا ہے یا جو حق کی طرف بلاتا ہے۔ آپ اسے حضرت شعیب علیہ السلام کی زندگی میں دیکھ لیں:

قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّکَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ (ھود:87)

"اے شعیب! کیا تمہیں تمہاری نماز یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟ یا یہ کہ ہم کو اپنے مال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرّف کرنے کا اختیار نہ ہو؟ بس تو ہی تو ایک عالی ظرف اور راستباز آدمی رہ گیا ہے"۔

یعنی خرابی انہوں نے صلوٰۃ میں سمجھی کہ پہلے تو شعیب ٹھیک تھا، اب یہ صلوٰۃ ہے جس نے اسے خراب کیا ہے لیکن دراصل اظہار نہیں کرنا چاہتے تھے کہ یہ صلوٰۃ ہے جس نے خراب کیا۔

مجھے کل کوئی خاتون بتا رہی تھیں کہ جب میں لوگوں سے ملاقات کے لیے جاتی ہوں تو جو افراد اللہ کے دین کی طرف مائل ہیں، متوجہ ہیں، جو دین پر عمل پیرا ہیں، ان کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ ان میں یہ خرابی ہے، یہ برائی ہے یہ برائی ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ میں ان کو کیا جواب دوں؟ تو میں نے کہا: ان سے کیا رشتہ ہے جو ایسی بات کہتے ہیں؟ کہنے لگیں: ماں باپ اپنی بچیوں کے بارے میں کہتے ہیں، بھائی اپنی بہنوں سے ایسی بات کہتے ہیں۔ میں نے کہا خرابی کب ہوتی ہے؟ کہتی ہیں جب وہ دین سیکھنے کے لیے جاتی ہیں تو میں نے کہا: کب محسوس نہیں ہوتی ؟ کہنے لگیں: جب وہ دین نہیں سیکھتے پھر خرابی محسوس نہیں ہوتی۔ اس کا مطلب کیا ہے؟ دین پر اعتراض ہے کہ دین کو کیوں سیکھیں؟ دین کے ساتھ تعلق کیوں رکھیں؟ یہ تعلق خراب کرتا ہے۔ اس تعلق کی وجہ سے خرابی آتی ہے تو دراصل خرابی دین میں نہیں ہے، خرابی نفسِ امارہ میں ہے۔ یہ نفس ہے جو اسے کہاں سے کہاں لیے پھرتا ہے۔ کیسے خدا کے سامنے سر اٹھایا ہوا ہے! ایک نفس اتنا بیمار ہے کہ جہاں جہاں جاتا ہے ان جگہوں پر بھی یہ بیماری پھیلا دیتا ہے، ہر جگہ بیٹھ کر ایسی باتیں کرتا ہے کہ دوسرے بھی متاثر ہو جاتے ہیں۔

کیا ہر دور میں ایسا نہیں ہوا؟ مثال کے طور پر دیکھیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس عتبہ آیا تھا جس نے کہا: بھتیجے! یہ تم نے کیا کر دیا؟ سب لوگ بڑے سکون اور اطمینان سے رہتے تھے۔ جب سے تم نے دعوت دینی شروع کی ہے گھر گھر میں فساد برپا ہو گیا ہے۔ ماں باپ اور بچوں کے درمیان اختلاف ہو گیا، شوہر بیوی کے درمیان اختلاف ہو گیا، بہن بھائیوں کے درمیان، رشتہ داروں کے درمیان اختلاف ہو گیا۔ یہ تم نے کیا کر دیا؟ اختلاف کس سے تھا عتبہ کو؟ ''تم نے کیا کر دیا؟'' لوگ

کہتے ہیں کہ دین سیکھیں لیکن تبدیلی نہ آئے۔ کہا جاتا ہے کہ بدلتے کیوں ہو؟ بس ٹھیک ہے تم وہی کچھ سیکھ لیا کرو جو سوسائٹی چاہتی ہے تو اس طرح ہمیں کوئی اختلاف نہیں۔ یہ جو آپ نے نیا دین سیکھا ہے ناں جس کے مطابق آپ کا رویہ بدلنا شروع ہوا، یہ تو پہلے ہمارے باپ دادا کے دور میں، ہماری فیملی میں، ہمارے اردگرد کے لوگوں میں موجود ہی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر دور میں جب بھی انسان کے اندر سچی تبدیلی پیدا ہوئی ہے، سوسائٹی کے اندر clash پیدا ہو گیا۔ حق اور باطل کے درمیان clash پیدا ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ دعوت سچی ہے جس کو لوگوں نے قبول کیا۔ اگر clash پیدا نہیں ہوتا تو اس کا مطلب ہے کہ دعوت میں خرابی ہے، سچا دین قبول نہیں کیا۔ جب آپ میں تبدیلی آئے گی، آپ کا اندر پاک ہوگا تو آپ اپنے آس پاس ایک عجیب رویہ محسوس کریں گے، Reactions یعنی آپ جو تبدیلی چاہیں گے لوگ اور زیادہ بھڑ جائیں گے، اور زیادہ آپ کے اوپر باتیں رکھیں گے کہ آپ کے اندر یہ خرابی ہے، یہ برائی ہے۔ اب آپ نے فیصلہ کرنا ہے کہ اپنے آپ کو پاک کرتے ہوئے دوسروں کی مخالفت برداشت کر سکتے ہیں یا سمجھوتہ ہی ٹھیک ہے؟ یہ سمجھوتہ [Compromise] ٹھیک نہیں کہ سارے راضی ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے۔

دوسری قسم ہے نفسِ لوامہ کی۔ نفسِ لوامہ کی اسٹیج غفلت سے بیداری کی اسٹیج ہے، ایک انسان کے دل کے روشن ہونے کی اسٹیج ہے۔ ایک انسان کا دل بیدار ہوتا ہے، غلطی پر ملامت کرتا ہے۔ اُس کو برائی میں پڑ جانے سے، گر جانے سے یہ نفس روکتا ہے اور ہوتا یہ ہے کہ ایک انسان کے اندر پچھتاوے بہت بڑھ جاتے ہیں۔

آپ دیکھیں پہلا نفس کچھ genrate کر رہا تھا۔ نفسِ امارہ کیا genrate کرتا

ہے؟ وسوسے۔ یہ نفس بھی genrate کر رہا ہے اور ہر دفعہ کیا چیز انسان کو دیتا ہے؟ ملامت، ملامت، پچھتاوا۔ آپ اسی طرح سے اسے لیں جیسے ہم نے لائٹ کی مثال لی تھی۔ جب وسوسے ہوتے ہیں تو اندھیرا اور جب الیکٹرانز بدل جاتے ہیں، وسوسے کی جگہ ملامت آنی شروع ہوتی ہے تو پھر ملامت، ملامت، ملامت۔ پھر جانتے ہیں کیا ہوتا ہے؟ کبھی روشنی ہو جاتی ہے، کبھی بجھ جاتی ہے۔ لوڈ شیڈنگ بہت ہوتی ہے لیکن روشنی بھی ہوتی ہے۔ پچھتاوے انسان کو برائی سے روکتے ہیں اور پچھتاوے کی وجہ سے ایک انسان نیکی کو چھوڑنا نہیں چاہتا اور بتدریج اس کی ترقی ہوتی ہے۔ یہ دل بھی بیمار ہے۔ اس کا بھی علاج کرنے کی ضرورت ہے لیکن اس کے اندر ایک ایسا سسٹم لگا ہوا ہے جس کی وجہ سے یہ بتدریج صحت کی طرف جا رہا ہے۔ اس کا مدافعتی نظام بہت مضبوط ہوتا ہے۔ کوشش باہر سے ہو تو بڑا مضبوط ہوتا ہے لیکن کوشش نہ بھی ہو تو اندر ہی اندر ایک آگ بھڑک رہی ہے، اندر ایک تکلیف ہے، پچھتاوا ہے۔ اس کو اپنے حق میں برا نہ سمجھیں۔ یہ پچھتاوے، یہ حسرتیں، یہ ملامت انسان کو اگلی اسٹیج پر لے جاتی ہے۔

تبدیلی اچانک نہیں آتی بتدریج آتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک انسان کے سر میں درد ہے، پیٹ میں بھی درد ہے، کمر میں بھی درد ہے۔ فرض کریں اسے پیٹ درد کا آرام آیا تو بہر حال وہ اتنے اطمینان سے تو نہیں جائے گا کیونکہ اس کے سر اور پیٹ میں درد موجود ہے لیکن اسے یہ شکر ادا کرنا چاہیے کہ ایک درد تو ٹھیک ہو گیا۔ بس زندگی میں انسان کو بہت سارے درد لاحق ہیں۔ انسان سے بہت ساری غلطیاں ہوتی ہیں۔ جس جس سے پیچھا چھوٹتا جائے اس پر انسان کو ناامید نہیں ہونا چاہیے کہ ابھی ساری اصلاح کیوں نہیں ہوگئی؟ آہستہ آہستہ سب کچھ ہوگا انشاءاللہ تعالیٰ۔

اب دیکھیے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک انسان کو بڑی خطرناک قسم کی بیماری ہوئی اور ساتھ ساتھ چھوٹی چھوٹی بیماریاں بھی تو ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ پہلے اس بیماری کا علاج ہوگا باقی بیماریوں کو بعد میں deal کر لیں گے۔ مثلاً فرض کریں کسی کو ایک سو پانچ پہ ٹمپریچر ہو اور ہو سکتا ہے کہ اس کی داڑھ میں درد ہو رہا ہو اور ہو سکتا ہے کہ اس کی کمر میں بھی درد ہو رہا ہو۔ اب ظاہر ہے کہ بخار ویسے ہی سب کچھ دُکھی کر دیتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے اندر کوئی اور بھی پرابلم ہو تو ڈاکٹرز کیا کہیں گے؟ کہ آپ کا پہلے ٹمپریچر down کر لیں پھر اس کے بعد دیکھیں گے۔ زندگی میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے ساری برائیاں اچانک ایک دم دور نہیں ہو جاتیں۔ بس یوں سمجھ لیں کہ جو بہت زیادہ اُبھری ہوئی بیماری ہے پہلے اس کا علاج کرنا ہے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ علاج کرتے تھے۔ جیسے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ ساری بیماریاں تو مجھ سے دور نہیں ہو سکتیں، ایک علاج بتائیں جو میں کروں اور جنت میں چلا جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَغْضَبْ

''غصہ نہ کیا کرو''۔ (صحیح بخاری 6116)

ویسے تو ایک بات ہے لیکن پوری زندگی پر حاوی ہے۔ ظاہر ہے کہ غصہ نہیں کرے گا تو طعنے نہیں دے گا، غصہ نہیں کرے گا تو غیبتیں نہیں کرے گا، غصہ نہیں کرے گا تو لوگوں کے درمیان تلخ کلامی بھی نہیں کرے گا۔ غصہ چھوٹے تو سبھی کچھ چھوٹ جاتا ہے۔

اسی طرح سے ایک شخص نے پوچھا: رسول اللہ ﷺ! مجھے ایک چیز بتائیے کہ میں وہ کروں اور جنت میں چلا جاؤں تو آپ ﷺ نے فرمایا: جھوٹ مت بولو اور آپ

جانتے ہیں کہ اس کی کتنی بڑی بڑی خرابیاں دور ہو گئیں۔ یہ اب آپ اپنی شخصیت میں دیکھیں کہ کون سی ایسی بری خرابی ہے جس نے آپ کی نیکیوں کو بھی جکڑ رکھا ہے، پکڑ رکھا ہے پہلے اس کا علاج ہو گا پھر انشاء اللہ تعالیٰ باقی خرابیاں بھی دور ہوں گی۔
تیسری اسٹیج جو نفس کی ہے نفسِ مطمئنہ۔ ساری اچھائیوں کا مرکز، اَخلاقِ حسنہ کا مرکز، دل کی روشنی کا نام ہے نفسِ مطمئنہ جہاں انسان کا دل روشن ہو جاتا ہے۔ ایک انسان جو نفسِ مطمئنہ کا سفر کر رہا ہے یعنی اپنے آپ کو برائیوں سے بچانے کی کوشش کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات پر اپنے آپ کو راضی اور مطمئن کر لیتا ہے، ابتلاء اور آزمائش میں تو وہ بھی ہے لیکن وہ آزمائشوں میں اللہ تعالیٰ کی مدد سے کامیاب ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ بنیادی کام کر لیتا ہے، اپنے کام اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتا ہے، اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے۔ نفسِ مطمئنہ کی شناخت یہ ہے کہ اس کے اندر سے چار بیماریاں دور ہو جاتی ہیں: شک، شبہ، شہوت (خواہشات کی محبت) اور بغاوت (سرکشی کے کام)۔ بس یوں سمجھ لیں کہ یہ چار بنیادی بیماریاں ہیں۔ ان کا علاج ہو گیا تو روشنی آنی شروع ہو جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ اور دنیا کی زندگی پاکیزہ گزرے گی انشاء اللہ تعالیٰ اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کا فوزِ عظیم کا وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں نفس کی حقیقت کو سمجھ کر اَخلاقِ کریمہ کو اپنانے اور اَخلاقِ ضمیمہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔
آج کے دن یہ غور و فکر جاری رہے گا۔ نفس کی تینوں اقسام کے حوالے سے سوچیں گے اور انشاء اللہ تعالیٰ ان تینوں کیفیات کے حوالے سے اپنے آپ کو کہیں نہ کہیں place ضرور کریں گے اور اپنی خرابیوں کو دیکھنے کی کوشش بھی کریں گے۔ میں نے چار خرابیاں بتائی ہیں، ان چار سے نجات ملے گی تو صحت ملے گی۔ نفس کی صحت ان

چار قسم کی بیماریوں کو دور کرنے سے ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ پھر جب نفس کو صحت ملے
گی تو اس کی وجہ سے نفس اطمینان پائے گا۔

کلاس میں ہونے والے سوالات اور ان کے جوابات

طالبہ: بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی رضا پہ دل راضی ہو جاتا ہے لیکن پھر ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ انسان کو ایسے لگتا ہے کہ وہ بے حس ہو گیا ہے۔ کیا ایسا بھی ہوتا ہے؟

استاذہ: جی ہاں ایسا اس وقت ہوتا ہے کہ جب حالات جیسے بھی ہوں اس کے لیے آگے بڑھنے کی تمنا، طلب، تڑپ اور اس کے لیے جو enthusiasm چاہیے شاید وہ اتنا نہیں رہ جاتا۔ انسان کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید کشمکش میں اطمینان زیادہ ہے کہ کشمکش کے بعد ایک انسان جیتتا ہے۔ ایک چیز کو سمجھنے کی ضرورت ہے وہ یہ کہ یہ بنیادی طور پر بے حسی کی کیفیت نہیں ہوتی۔ یہ کیفیت بنیادی طور پر سکینت کی کیفیت ہے۔ There is a difference جیسے ہم نے پہلے دیکھا کہ یہ خوف کی کیفیت نہیں، یہ کیفیت فرق ہے۔ خوف تو دھڑکا ہے کہ کہیں مجھے کرنا نہ پڑ جائے یا یہ کہ کہیں یہ مجھ سے یہ ذمہ داری پوری نہ ہو تو یہ خوف کی کیفیت نہیں، یہ ذمہ داری کا احساس ہے۔ اب ایک انسان کو اس کا پتہ ہو ناں تو ایک وہ کہے کہ ہاں شکر ہے کہ میرے اندر یہ ذمہ داری کا احساس ہے۔ اگر اسے خوف کا نام دے گا تو اس سے بچے گا اور

ذمہ داری پوری نہیں کرے گا۔

اسی طرح سے ایک کیفیت ہے غفلت کی۔غفلت میں بھی بظاہر انسان سکون میں ہوتا ہے کیونکہ اسے پتہ ہی نہیں۔جو کچھ وہ کر رہا ہے اسے ٹھیک ہی سمجھ رہا ہے اور سکینت کی کیفیت میں بھی انسان سکون میں ہوتا ہے۔دونوں میں فرق ہے۔غفلت،لاعلمی اور جہالت کی بنیاد پر ایک انسان کو پتہ ہی نہیں کہ میں کیا کر رہا ہوں اور کیا نہیں کر رہا؟ نہ اس کا کوئی aim ہے،نہ objective ہے۔اس کی کوشش بھی بھٹکی ہوئی ہے لیکن سکینت میں تو وہ ایک سفر کر کے آیا ہے اور اس سفر کے اختتام پر اسے اطمینان مل گیا۔اب یہ کہ ایک انسان جب اطمینان والی کیفیت میں ہے تو وہ آگے کیسے بڑھے؟ اللہ تعالیٰ کی مدد سے کیونکہ اس کے لیے استعانت باللہ کی ضرورت ہے۔ کیسے؟ کہ یا اللہ! میں نہیں جانتا، مجھے معلوم نہیں ہے لہٰذا میری رہنمائی فرمائیں، یا اللہ! مجھ سے بڑا کام لے لیں، ایسا کام جس سے آپ راضی ہو جائیں۔دیکھیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی تھی:

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ (النمل:19)

’’اے میرے رب! مجھے قابو میں رکھ کہ میں تیرے اس احسان کا شکر ادا کرتا رہوں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیا ہے اور ایسا عملِ صالح کروں جو تجھے پسند آئے اور اپنی رحمت سے مجھ کو اپنے صالح بندوں میں داخل کر۔‘‘

یہ جو بات ہے ناں شکر کے بعد نفس کے اطمینان کی کہ اس کیفیت کے بعد انسان کیا

کرے؟ کیسے اپنے آپ کو اس کے بعد مصروف رکھے؟ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرے کہ یا اللہ! ایسا نیک کام مجھ سے کروالے کہ وہ آپ کو پسند آجائے۔ پھر اللہ تعالیٰ خود رہنمائی کرتے ہیں، خود سے راستے کھلنا شروع ہوجاتے ہیں۔ جہاں انسان نے کبھی غور ہی نہیں کیا ہوتا وہاں سے راستے کھلنا شروع ہوجاتے ہیں۔ ایسا نہیں لگتا کہ اللہ تعالیٰ انگلی پکڑ کر چلا رہے ہیں! پھر اللہ تعالیٰ خود اس سے کام کروا رہے ہوتے ہیں۔

طالبہ: یہ بات بھی پوچھنا تھی کہ انسان خود تو مطمئن ہوجاتا ہے لیکن بعض اوقات وہ کہتا ہے کہ میں بالکل مطمئن ہوں اللہ تعالیٰ کی بات پہ، اللہ تعالیٰ کے فیصلے پہ راضی ہوں۔ میرا نفس مطمئن ہے لیکن اس کے ساتھ ہی جب وہ لوگوں کی پرواہ کرنا چھوڑ دیتا ہے تو پھر اس سے کچھ رشتے بھی کٹتے ہیں۔ مثال کے طور پہ کہ میں نے عید کے موقع پہ کہیں جانا تھا تو ہمارے بہت قریبی رشتہ دار ہیں۔ میں نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی رضا پہ راضی ہوں لیکن میں نے ان کے گھر نہیں جانا تا کہ کسی سے میرا سامنا نہ ہو۔

استاذہ: اچھا لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا پہ راضی ہونی والی اس میں کیا بات تھی؟

طالبہ: یعنی جو میرے حق میں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کردیا ہے بس وہ ٹھیک ہے۔

استاذہ: یہ نفسِ مطمئنہ والی کیفیت نہیں ہے۔

طالبہ: ملامت ہوتی رہی اندر اندر۔

استاذہ: صلہ رحمی چھوٹ گئی اور صلہ رحمی کے چھوٹنے پر تو نفس ملامت کرے گا۔ مومن کو تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میں نے تو اس کو اوپر لے جانا ہے، نیچے نہیں رکھنا۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ اس سے ایسا کام کرواتے ہیں جو اس کے نفس پہ بڑا گراں گزرتا ہے، بڑا مشکل

ہے لیکن ویسے وہ ہوتا نہیں ہے۔ میں نے ذاتی طور پر محسوس کیا ہے جس کو انسان سمجھتا ہے کہ پہاڑ میرے سر پر آ گیا تو انسان اس کام کے کرنے کے بعد کہتا ہے کہ میں نے بس ایسے ہی اس کو پہاڑ بنایا ہوا تھا، یہ تو کچھ بھی نہیں۔ اپنے نفس سے گزرنا یہ ذرا سا مشکل لگتا ہے۔ جیسے آپ کی مثال سے یہ لگتا ہے کہ ایک ہی کام کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا پہ راضی ہو گیا لیکن دوسرا رویہ جو اس نے اختیار کیا وہاں پر پھر رضائے ربی کو پیشِ نظر نہیں رکھا، وہاں پر نفس نے اپنا کام شروع کر دینا ہے یعنی ملامت اور یہ ملامت افضل ہے ناں۔ یہ ملامت تو دل کی زندگی کی علامت ہے کہ دل نے اس سے تکلیف محسوس کی ہے کہ یہ غلط ہے، یہ ٹھیک نہیں ہے۔

طالبہ: جیسے انسان کوئی کام اپنے اطمینان کے لیے چھوڑتا ہے۔ مثلاً جب دوسروں کو کسی ایسی بات کی تلقین کرنا ہو جو اپنے عمل میں نہ ہو اور انسان وہ بات اس تکلیف سے کہنا ہی چھوڑ دے کہ میں وہ بات کیسے کہوں جو میرے عمل میں نہیں تو کیا یہ رضائے الٰہی کے لیے ہے؟

استاذہ: نہیں اس میں انسان کا فیصلہ غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ جب فرماتا ہے:

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف:2)

''تم وہ بات کہتے ہی کیوں ہو جو کرتے نہیں ہو''۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ انسان کہنا چھوڑ دے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کام کرنا چھوڑ دے جو برا ہے۔ عین اس موقع پر انسان کیا کرے؟ اس کے اندر اب ایک خرابی ہے۔ مجھے مولانا اشرف علی تھانوی کی ایک بات بہت اچھی لگتی ہے کہتے ہیں کہ میں نے دوسروں کو کہہ کہہ کے اپنی اصلاح کی کہ جب میں دوسروں کو کہتا تھا تو نیت باندھتا تھا کہ یا اللہ! اب میں نے ایسا نہیں کرنا، آپ میری مدد فرمائیں۔ یوں

اللہ تعالیٰ مجھے اس سے نکلنے کا موقع فراہم کر دیتے تھے"۔ عین اس موقع پر اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں، اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں انشاءاللہ تعالیٰ مدد ہوگی۔

طالبہ: یعنی جب انسان اس مقصد کے لیے اپنی کوئی عادت اندر سے چھوڑتا ہے کہ میں بعد کے پچھتاوؤں سے بچ جاؤں کیونکہ پچھتاوے انسان کو ختم کر دیتے ہیں۔

استاذہ: پچھتاوؤں کے بارے میں ذہن میں رکھئے گا نفسِ امّارہ سے اگلی اسٹیج ہے۔ میں نے بتایا کہ یہ تو الیکٹرانز ہیں، صفائی کرتے ہیں۔ یہ تو انسان کے اندر روشنی آنے کے لیے جگہ بناتے ہیں۔ جو پچھتاوے اور غم لاحق ہوتے ہیں، یہ تو رفیق ہیں ناں۔ حزن، یہ غم کس چیز کا ہے؟ کہ نیکی چھوٹ گئی۔ یہ تو بڑا Healthy change ہے، زندگی کی علامت ہے۔ مثلاً فرض کریں کہ آپ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہیں اور گاڑی اسٹارٹ ہی نہیں ہوتی کوئی indication ہی نہیں آتی تو پتہ چلتا ہے کہ بیٹری ڈاؤن ہے تو بیٹری کے ڈاؤن ہونے سے گاڑی چلے گی ہی نہیں۔ یعنی اس میں زندگی ہی نہیں ہے۔ بیٹری کی وجہ سے گاڑی کا چلنا جیسے ممکن ہے، پچھتاوؤں اور حسرتوں کی وجہ سے ایک انسان کا انسانی زندگی کی طرف چلنا ممکن ہوتا ہے۔ اس لیے پچھتاوے اور حسرت کو برا نہیں سمجھنا، یہ اور آگے لے جائیں گے۔

طالبہ: ایک اور بات یہ پوچھنی تھی کہ جیسے اس وقت بات کی تھی کہ کوئی بھی بڑا کام شروع کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں تو اندر سے بہت خوف محسوس ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر نضرۃ النعیم کی کلاس میں بیٹھے ہیں ناں تو خوشی بھی بہت ہے لیکن خوف بھی بہت ہے۔ یہ پتہ نہیں کہ خوف کس چیز کا ہے؟

استاذہ: ذمہ داری کا احساس ہے، اصلاح کرلیں۔ ذمہ داری کا احساس ہے۔

طالبہ: یعنی یہ بھی ہوتا ہے کہ اتنی perfection میرے اندر کیسے آسکتی ہے؟ یہ بات ضرور آتی ہے۔

استاذہ: یہ بے یقینی ہے، اس کا علاج چاہیے۔ انشاءاللہ تعالیٰ علاج ہوگا۔

طالبہ: شک اور شبہے میں کیا فرق ہے؟

استاذہ: معمولی سا فرق ہے۔ شبہے میں ایک انسان فرق نہیں کرسکتا جیسے بعض اوقات آوازوں میں بہت مشابہت ہوتی ہے، شکلوں میں بہت مشابہت ہوتی ہے تو مشابہت میں شبہہ ہے۔ جہاں ایک انسان Distinguish نہیں کرسکتا۔ شک کے لیے مشابہت کا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ شک سے مراد ہے کہ کسی چیز کو غلط سمجھنا شروع کردینا۔ اس کے لیے کسی کے ساتھ ملنا جلنا ضروری نہیں ہوتا۔ مثلاً شبہہ کیسے ہوتا ہے؟ انسان کسی بھی کام کے بارے میں اس انداز سے سوچے کہ کروں یا نہ کروں؟ اگر کرلیا تو پتہ نہیں کیا ہوگا؟ اور اگر نہ کیا تو بھی پتہ نہیں کیا ہوجائے گا؟ لیکن شک یہ ہے کہ پتہ نہیں یہ سلسلہ ٹھیک ہے یا نہیں؟ یعنی اس میں انسان دو کیفیات کے درمیان نہیں ہوتا، فیصلہ کن انداز میں نہیں ہوتا بلکہ ابتداء میں ہی ایک وائرس لگ گیا ناں! ایسے ہی بلا جواز انسان کا ذہن خراب ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ شک کا زیادہ تعلق وسوسے سے ہوتا ہے، شبہہ کا بھی ہوتا ہے لیکن شک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں۔ اب جیسے بے یقینی کا لفظ میں نے بڑا سنبھل کے استعمال کیا ہے تو بنیادی طور پر یہ شک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں کہ آیا وہ مجھے بالکل ٹھیک کردے گا؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ شک اس وجہ سے نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یہ کام نہیں کرسکتی، اپنے بارے میں یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ میں تو اس مقام پر ہوں، کیا واقعی میں بھی ٹھیک ہوسکوں گی؟ لیکن انسان پھر اپنی طرف دیکھتا ہے ناں تو شک نکل جاتا ہے۔

طالبہ: میں ایک بات پوچھنا چاہوں گی کہ جس دن عید تھی اسی دن سے یہ ذہن میں تھا کہ چھٹیاں ختم ہونے والی ہیں۔ بس جلد ہی ہم نے واپس چلے جانا ہے تو ایک دل چاہتا تھا کہ جانا ہے اور دوسرا کہتا تھا کہ نہیں جانا، بس ایسے گڑبڑ ہو رہی تھی اور میری friend نے مجھے فون کر کے بتانا تھا کہ کس وقت جانا ہے۔ اب جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، اس کا فون نہیں آ رہا تھا تو میں بھاگی بھاگی گئی، صلوٰۃ توبہ پڑھی کہ فون نہیں آیا تو میں اس وقت کس کیفیت میں تھی؟ پہلے تو میں کہہ رہی تھی کہ میں نے نہیں جانا اور اب کہہ رہی ہوں، دُعا مانگ رہی ہوں کہ جانا ہے۔ اس وقت مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ میں کیا سوچ رہی ہوں؟

استاذہ: مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ تاریکی سے روشنی کا سفر ہے۔ اندھیرا تھا اور اچانک ایک برہان مل گئی۔ 'کیا پتہ میں نہ جا سکوں!' وہ چیز آپ کو نکال لائی وہاں سے۔ اس نے آپ کو شبہ سے نکال دیا کہ میں نہیں جاؤں گی، میں پیچھے رہ جاؤں گی۔

طالبہ: ایک اور بات یہ تھی کہ میں وعدہ کر کے آئی ہوں تو اگر نہ پہنچی تو کہیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ ہی نہ ہو۔ تھوڑی دیر بعد friend کا فون آ گیا کہ جانا ہے اور پھر شکر کیا کہ اب جا رہی ہوں۔

استاذہ: یہ کشمکش تو انسان کے اندر جاری رہتی ہے، یہی Reasoning ہے۔ ہم نے پڑھا تھا ناں کس کا دل اسلام کے لیے کھلتا ہے؟ تو ایک Reasoning کا عمل آپ کے اندر شروع ہو گیا۔ اس برہان کی وجہ سے انسان کے اندر فیصلہ کرنا آسان ہو گیا۔

طالبہ: کیا پچھتاوے اور حسرت کا لازمی نتیجہ آگے جانا ہوتا ہے؟

استاذہ: اگر رُخ صحیح ہو۔

طالبہ: ایسا تو کوئی نفس نہیں ہوتا جس کے اندر ملامت نہ ہو، کسی بھی کام کے حوالے سے پچھتاوا نہ آتا ہو۔ کیا اس کے لیے ماحول ضروری ہے؟

استاذہ: یہی تو بات ضروری ہے۔ اسے اجتماعی ماحول کی ضرورت ہے۔

طالبہ: ہمارے آس پاس جو انسان ہیں ہر ایک کے اندر ایک اسٹیج ہوتی ہے پچھتاوں کی، ملامتوں کی تو وہ ان کے لیے healthy change ہے کہ اس کو احساس ہے لیکن جب انسان اس احساس کو بھی اپنے اردگرد سے مٹتا ہوا دیکھتا ہے تو یہ کیا ہے؟

استاذہ: پچھتاوے کا فائدہ ایک وقت تک ہوتا ہے لیکن آپ یہ دیکھیں کہ پچھتاوے کا رہنا Healthy sign ہے اور اس کا ختم ہونا انسان کو برباد کرتا ہے۔

طالبہ: فائدہ مند تو تب ہے ناں جب اس کو کوئی لائن مل جائے۔

استاذہ: اگر لائن نہیں بھی ملتی تو پچھتاوا برائی سے روکتا ہے۔

طالبہ: ایک وقت تک روکتا ہے۔

استاذہ: پچھتاوا رہے گا تو روکے گا بھی۔ وہ پچھتاوا ہی ختم ہو جاتا ہے جو نہیں روکتا۔

طالبہ: مجھے ایسا لگتا ہے کہ میرے اندر بہت سرکش نفس ہے۔ جیسے مجھے بہت دفعہ خود کو دُعائیں کر کر کے باندھ کر رکھنا پڑتا ہے لیکن جہاں ایسا موقع آ جاتا ہے، وہ پھر سامنے آ جاتا ہے۔ ٹھیک ہے کہ وہ مجھے برائی پر آمادہ ضرور کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد ہوتی ہے کہ میں وہ کام کر نہیں پاتی لیکن میرے اندر پھر اتنی تکلیف ہوتی ہے اس چیز کی یعنی ایک کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ مجھے اس چیز کی سمجھ نہیں آتی کہ یہ جو اندر کی سرکشی ہے یہ کیسے ختم ہو؟ کیونکہ یہ مستقل تکلیف کا ایک سلسلہ ہے۔

استاذہ: آپ کی ایک ہی بیماری مجھے نظر آ رہی ہے اور وہ ہے خود پر بھروسہ کہ میں اپنے آپ کو

بہت باندھ کر رکھتی ہوں۔ آپ جہاں بھی دیکھو گے آپ کو یہ بیماری نظر آئے گی کہ خود اعتمادی زیادہ ہے اور خدا اعتمادی کم۔ اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیں اور ہر موڑ پر اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیں۔ جہاں پر نفس سر اُبھارتا ہے فوراً اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ یا اللہ! آپ نے اسے سنبھالنا ہے اور جیسے آپ ابھی کہہ رہی ہیں کہ مجھے پھر پتہ نہیں چلتا، میں پھر وہ کام کر نہیں پاتی تو ممکن ہے آپ اللہ تعالیٰ سے جو دُعائیں کر رہی ہیں اسی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بچایا جاتا ہے لیکن تب جب آپ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتی ہیں، تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بچت ہوتی ہے۔ خود کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنا سیکھیں، اللہ تعالیٰ کی طرف نظریں لگانا اور اس کا خوف محسوس کرنا سیکھیں، سارے ہی معاملات سنور جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ اور اس طرح انسان کی سرکشی آہستہ آہستہ ختم ہو جاتی ہے۔

طالبہ: یہ شک وشبہ اپنی ذات کے حوالے سے ہے یا لوگوں کے حوالے سے، یا ربّ کے ساتھ؟

استاذہ: بنیادی طور پر آپ اسے اس category میں نہ لے کر آئیں جہاں سے آپ اسے چیک کر رہی ہیں۔ میں بنیادی طور پر محسوس کرتی ہوں کہ بندے اور ربّ کے رشتے کے درمیان میں شک آتا ہے اور یہ شک خدا پر اعتماد کرنے کے حوالے سے آتا ہے اور خدا کی بات ماننے کے حوالے سے شک آتا ہے۔ پھر جو خدا کی بات بتانے والا ہو اس کے حوالے سے ذہن میں شک آتا ہے۔ یہ وہ شکوک نہیں ہیں جو اجتماعی زندگی میں، گھریلو زندگی میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ان شکوک کا تعلق انسان کے عقائد سے ہے۔ جو معاملات اپنے رب کے ساتھ ہیں وہاں پر ایک انسان کو شک

ہوتا ہے۔ باقی شکوک بھی اسی طرح سے پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ انسان کا تعلق صحیح جڑا ہوا ہو تو اس کی وجہ سے انسان دوسروں کے ساتھ بھی حسنِ ظن رکھتا ہے۔

طالبہ: جب کوئی مشکل ہوتی ہے تو ہم اللہ تعالیٰ کے سپرد وہ کام کردیتے ہیں اور کام درست بھی ہوجاتا ہے لیکن پھر ایسا ہوتا ہے کہ جب اس مشکل کو حل ہونے میں ٹائم زیادہ ہو جاتا ہے تو پھر دل کا اطمینان ختم ہوتا جاتا ہے۔

استاذہ: کچھ چیزیں انسان کی مدد کرتی ہیں مثلاً مناسب موقع پر انتظار کرنا صبر ہے تو صبر کی کمی ہے۔ انتظار نہیں کر پا رہے تو بے صبری کی کیفیت ایمانی حالت کو خراب کردیتی ہے۔ جس کا ربّ کی ذات کے ساتھ تعلق ہے اسے چاہیے کہ وہ بھروسہ رکھے، بھروسے میں کمی نہ آنے دے۔ مثال کے طور پر اگر ہم اسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں دیکھنا چاہیں تو جب صلح حدیبیہ ہوئی تھی مسلمان عمرہ کرنے کے لیے نکلے تھے اور جب وہ عمرہ نہیں کر سکے تو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کہا تھا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا واقعی یہ فتح ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ساری زندگی پچھتاتے رہے تھے کہ کاش میں نے یہ الفاظ نہ کہے ہوتے! بے صبری تھی ناں تو اللہ تعالیٰ نے یہ کہا کہ تم ضرور عمرہ کرو گے، سر بھی منڈواؤ گے، مسجدِ حرام میں بھی ضرور داخل ہوگے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب سچا تھا لیکن کیا وہ اسی سال کے لیے تھا؟ صبر کا دامن تھامنا چاہئے تھا ناں تو انسان کے لیے ہے مشکل کام لیکن یہی چیزیں انسان کو شک کی طرف لے جاتی ہیں۔ یعنی ایک انسان نے پہلے یقین کیا، پھر بے صبری سے شک کی طرف لوٹ آیا۔ اندر خرابی واقع ہوجاتی ہے اس لیے صبر کرنا ضروری ہے۔

طالبہ: انسان ایک کام کرنا چاہتا ہے لیکن اس کا دل اسے روکتا ہے۔ جیسے میں نے یہاں آنا

تھا تو میرا دل کرتا تھا کہ نہ جاؤں۔ مجھے ایک بات پتہ تھی کہ میں نہ گئی تو میں ڈوب جاؤں گی۔ میں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ میری پیکنگ کر دیں، میں نے فلاں دن پہ جانا ہے۔ رشتہ داروں سے ملنے گئی تو کہا میں نے فلاں دن جانا ہے۔ اندر سے میرا دل کرتا تھا کہ کوئی کام ایسا ہو جائے کہ میں نہ جاؤں اور آخری دن مجھے لگتا تھا کہ میں نکلی تو مر جاؤں گی اور ہر کوئی مجھے یہ کہہ رہا تھا کہ تم جا رہی ہو تو اللہ تعالیٰ کی خاطر خوش ہو کر جاؤ، پھر آنسو، آنسو، آنسو، رونا۔ مجھے سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ نیکی کا کام کرنے جا رہی ہوں۔ یہ بھی مجھے پتہ تھا کہ کرنا ضرور ہے لیکن میری نیت ہوئی یا نہیں؟ میں یہاں آ گئی ہوں۔ اب میری نیت مزید کیا ہے؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آتی۔

استاذہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:69) ''ہم ضرور اسے اپنے راستے پہ چلائیں گے''۔ آپ اپنے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیں۔ آپ کو نہیں پتہ چل رہا وہ خود ہی بتا دے گا انشاء اللہ تعالیٰ اور یہ جو کشمکش ہے، یہ مثبت ہے۔ اب آپ اپنے آپ کو تھوڑا اندر سے پہچان رہی ہیں کہ باقی لوگ نہیں بلکہ روکتا تو نفس تھا لیکن آپ نے اس پر قابو پایا ہے الحمدللہ۔ یہ تو فتح ہے، فتحِ مبین ہے الحمدللہ اور یہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو آگے بڑھائے گی اور اس کی وجہ سے اب آپ کو تھوڑا تجربہ کرنے کا بھی موقع ملا۔ ہر ایک کے تجربات مختلف ہیں اور ہر ایک کو یوں محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے ابھی ایمان مل رہا ہے اور ہر موقع پر ہی ایسا ہوتا ہے۔ یہ تلخی، یہ تکلیف صرف آپ نے face نہیں کی، میرا خیال ہے کہ یہاں کوئی بھی ایسا نہیں ہو گا جس نے کچھ face نہ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یہ کیوں کہا: ''نکلو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خواہ ہلکے ہو یا بوجھل تو یہ کوئی کندھوں پر لادنے والا بوجھ تھوڑی ہے۔ یہ تو نفس کا بوجھ ہے۔

طالبہ: نفسِ لوامہ پہ Satisfaction ہوتی ہے۔

استاذہ: کیسے؟

طالبہ: کہ چلیں ملامت گر نفس تو ہے ناں! تو نفسِ مطمئنہ کی طرف انسان کیسے سفر کرے؟

استاذہ: یہ Satisfaction بالکل نہیں ہے، پچھتاوے پر مطمئن ہو رہے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

"میں کسی پر دو خوف کبھی جمع نہیں کروں گا۔ جو انسان دنیا میں بے خوف رہا اسے آخرت کا خوف لاحق کر دوں گا اور جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے جیتا رہا آخرت میں اسے خوف سے بچا لوں گا"۔

دنیا میں جو انسان حسرت میں رہا وہ اس دن کی حسرتوں سے بچے گا انشاء اللہ تعالیٰ کیونکہ یہ تو آج کی حسرت ہے ناں! آج عمل کا وقت ہے۔

طالبہ: نفسِ امارہ کا شکار جو ہمارے پیارے ہیں، کیا ان کے اندر بھی کبھی نفس لوامہ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے؟

استاذہ: ہوتی ہے لیکن دبا دیتے ہیں۔ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (الشمس:10)

طالبہ: پھر کیا کریں؟

استاذہ: دعوت الی اللہ۔ یہی تو کام کرنا ہے۔ یہ جو ہم سب مل بیٹھے ہیں، اگر ہم اس ساری activity کو اپنی ذات تک محدود کر لیں گے تو ہم بھی ٹھیک نہیں ہوں گے۔ اٹھنا ہے اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ بھی اُٹھے تھے۔ آپ ﷺ کو پہلے دن ہی کہا تھا کہ

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم:4)

آپ ﷺ اگر اخلاق کے بلند مرتبے پر فائز تھے تو Gradually یہ تبدیلیاں آپ

ﷺ کے اندر آئی تھیں اور سب سے زیادہ آپ ﷺ کو جس چیز نے مدد دی انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے نے۔ وہیں تو انسان اپنے اَخلاق کا تجربہ کرتا ہے، وہیں تو انسان کو سچا اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ آپ دیکھیں کہ اگر کوئی اپنا پیارا سچے راستے پہ آجائے اس جیسا اطمینان انسان کو کہیں نہیں ملتا۔ اچانک یوں نہیں ہوتا کہ سارے لوگ بدل جائیں لیکن کوششیں رنگ لاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی ان کوششوں میں برکت عطا فرماتا ہے۔

طالبہ: آپ نے مجھے بتایا کہ میرے اندر غم اور پچھتاوا ہے جو مجھے اچھا لگ رہا ہے تو یہ سوچ رہی ہوں کہ ابھی تو اچھے لگ رہے ہیں لیکن اگر یہ ختم ہو گئے تو پھر کیا ہوگا؟

استاذہ: پھر سرکشی ہوگی اس لیے ان کو مانگنا چاہیے کہ اللہ! کبھی گناہوں پر اطمینان نہیں دینا، غلطی پر نہیں۔ اللہ کا شکر ادا کریں کہ الحمدللہ آپ نے مجھے توفیق دی، آپ نے مجھے برہان دکھائی، آپ نے مجھے یہ راہ دکھائی۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ.

طالبہ: مسلسل پچھتاوؤں میں رہنے کے لیے انسان کو کیا کرنا چاہیے؟

استاذہ: یہ تھوڑی ہے کہ اب پچھتاوؤں میں رہنا ہے۔

طالبہ: یعنی اب یہ feel ہو رہا ہے۔

استاذہ: غلطی پر ہی پچھتانا ہے۔ یوں نہیں ہے کہ آپ ایک غلطی کا سلسلہ مستقل جاری رکھیں۔ اس پر توبہ استغفار کریں۔ نفس کے اُکسانے پر اُکساہٹ کا پیدا ہونا تو ایک فطری بات ہے۔ نبی کے دل میں بھی یہ بات ہو سکتی ہے لیکن یہ کہ نبی کوشش کرتا ہے۔ اگر کسی اور نے کوشش کی تو مبارکباد کا مستحق ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے ایسے شخص کو جس کو اپنی اُکساہٹوں پر قابو پانے کا موقع ملا۔ اب آگے جو غلطیاں اور

برائیاں دُور کرنی ہیں ان کی فکر کریں، ان کی لسٹ بنائیں، اللہ تعالیٰ سے دُعائیں جاری رکھیں، کھوجیں، پھر غوروفکر کریں گے۔ پھر ایک چیز آپ کے لیے غم بن جائے گی، سوچ بن جائے گی۔ پھر اس پر اتنے پچھتاوے ہوں گے، پھر آپ اس کے پیچھے لگ جائیں گے، پھر اسی طرح وہ برائی بھی ختم ہو جائے گی جس طرح سے یہ بات ختم ہوئی۔

طالبہ: جب دورۂ قرآن کی Ending تھی تو میں نے یہ سوچا کہ گھر جا کر میں نے ہر چیز کو Continue رکھنا ہے۔ میں سوچ رہی ہوں کہ میں نے نیت نہیں کی تھی تو گھر جا کر مجھ سے کچھ بھی نہیں ہوا۔ اتنا ایمان کمزور ہوا اور احساس بھی دل میں تھا کہ ہو رہا ہے لیکن پختہ نہیں ہو رہا تھا۔ اب جب یہاں آ رہی تھی تو اب نیت بھی ہو رہی ہے۔

استاذہ: نیت کو Revise کرنا پڑتا ہے، بار بار جائزہ لینا پڑتا ہے اور نیت نہ ہونے کی خرابیاں ہیں۔ عام طور پر یہ نہ ہونے کی صورت میں خود ہی Consider کر لیتے ہیں کہ ٹھیک ہے اب سب نے یہ کرنا ہے، کر لیں گے۔ 'کر لیں گے' کہنا نیت نہیں ہے۔ نیت باقاعدہ دل کے ارادے کے ساتھ کرنی پڑتی ہے، اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ کے کرنی پڑتی ہے۔ واقعی آپ نے صحیح محسوس کیا کہ میری نیت صحیح نہیں تھی یعنی نیت proper نہیں کی تھی۔ اگر کی ہوتی تو ایمان میں کمزوری نہ آتی۔

طالبہ: کوئی غلط کام کرنے کا پچھتاوا تو ہوتا ہے لیکن وہ کام چھوٹتا نہیں ہے، Repeat ہو جاتا ہے۔

استاذہ: آہستہ آہستہ اس کے اندر تبدیلی آتی ہے لیکن یہ کہ پیچھا کرتے رہیں، پیچھا نہیں چھوڑنا، اطمینان نہیں محسوس کرنا۔

طالبہ: اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتے ہوئے اُمید نہیں ہوتی کہ یہ کام ہو جائے گا کہ نہیں ہوگا؟
یعنی اُمید پیچھے سے غائب ہوتی ہے۔

استاذہ: کون غائب کرتا ہے؟

طالبہ: خود ہی کر دیتی ہوں۔

استاذہ: پھر اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں۔ دوبارہ پھر جائزہ لیں۔ نبی ﷺ کی یہ دُعا پڑھیں: اَللّٰھُمَّ رَحْمَتَکَ اَرْجُوْا پھر آپ دوبارہ دیکھیں کہ اب کیا کیفیت ہے؟ آہستہ آہستہ فرق آجائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

طالبہ: آپ نے نفسِ مطمئنہ کی بات کی تو ہم جس اسٹیج پر ہیں ہم کیسے analyse کر سکتے ہیں کہ یہ نفسِ مطمئنہ والی اسٹیج ہے؟

استاذہ: ایسا نہیں ہوتا کہ سو فیصد پوری زندگی کے معاملے میں انسان کو اطمینان ہو۔ بات یہ ہے کہ کوئی بھی کام کرتے ہوئے آپ کوئی عمل کس طرح سے انجام دے رہے ہیں؟ یا تو وہ عمل سرکشی کا ہوگا، یا وہ عمل اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہونے کا ہوگا۔ آپ کو یہ دیکھنا چاہیے کہ جو میں کر رہی ہوں، اس میں مجھے اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہے؟ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر میں راضی ہوں؟ اگر مجھ سے وہ کام ٹھیک ہو گیا تو الحمدللہ، باقی کاموں کے بارے میں زندگی میں سوچتے رہیں۔ سو فیصد یہ خصوصیت انسانِ کامل ﷺ کو تو پوری زندگی کی کوششوں کے بعد نصیب ہوگئی تھی۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمیں بھی ہر feild میں ایسی ہی کوششیں کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

دل کا معاملہ ایسا نہیں ہوتا کہ بٹن بند کر دو تو لائٹ آف ہو جائے گی اور آن کر دو تو یہ آن ہو جائے گا۔ یہ کافی مشقت والا معاملہ ہے۔ اس دل کا روشن ہونا اور اس کے

اندر سے ساری گندگیوں اور آلودگیوں کا نکل جانا، زندگی بھر کی مشقت چاہیے۔

طالبہ: اس طرح سمجھ آتا ہے کہ جیسے ہر ہر معاملہ علیحدہ علیحدہ ہے۔ ہر جگہ نفسِ مطمئنہ کو دیکھنا ہے۔ ہر جگہ میں نفسِ مطمئنہ کے لیے ہر لمحے پلٹنے کا، لوٹنے کا عمل بہت مشقت والا کام ہے۔

استاذہ: مشقت والا ہے نہیں ہے، لگتا ہے حالانکہ یہی آسانی والا کام ہے۔ ابتداء میں انسان کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ مشقت والا کام ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آسانیاں اسی میں رکھ دی ہیں۔ فطرت سے ہٹا ہوا ہوتا ہے ناں انسان، اس لیے اسے لگتا ہے کہ میں نے اگر یہ کام کرلیا تو نجانے کیا ہو جائے گا۔